فہرست

حرف جیم

حرف چ

حرف ح

حرف خا

حرف دال

حرف ڈال

حرف ش

حرف ص

حرف ض

حرف ط

حرف ظ

حرف ع

حرف ہا

حرف ی

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

سنہ ۱۸۲۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظریف شاعروں کا تذکرہ

ردیف الف

آبرو - آپ کا نام نجم الدین تھا- مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے- آبرو تخلص تھا خود نہایت مشاق سخن گو تھے- مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ اپنا کلام سراج الدین علیخان آرزو کو سنا دیا کرتے تھے- تذکرون مین جو کچھ تھوڑا بہت حال ملتا ہے، اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہین چلتا- ریختہ مین ایہام گوئی کے نہایت دلدادہ تھے- آزاد نے آبحیات مین لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے لڑکے پیر مکھن متخلص بہ پاکباز سے دلی محبت تھی- آزاد کے علاوہ بعض تذکرون سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مرزا جانجاناں مظہر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی- یہان تک کہ باہم ہجو گوئی تک نوبت پہونچتی تھی- اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام مین ظرافت کا رنگ پیدا ہو جاتا تھا- بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ مین کچھ کہا ہو- مگر استداد زمانہ نے ہم تک نہین پہونچنے دیا- البتہ آزاد کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرۂ ظرفا مین لانے کی اجازت دی- تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی مل گئے جن مین اگرچہ ظرافت کا پورا رنگ نہین ہے پھر بھی ان کو اس سے علٰحدہ نہین رکھا جا سکتا قابل شخص ہیں

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے۔ اِن کے معاصر مرزا جانجانان نے چشمک کے طریقہ پر ان کی ہجو مین یہ شعر کہا۔

آبرو کی آنکھ مین اک گانٹھ ہے　　آبرو سب شاعرون کی.... ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو مین یہ شعر کہا

کیا کرون حق کے کئے کو کور میری چشم ہے　　آبرو جگ مین رہے تو جانجانان.... ہے

یہ لطیفہ ہرچند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا شعر رنگ ظرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا۔ انھین کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے۔

یارو خدمتگار خان خوجون کے بیچ　　ہے تو مستثنی ولیکن منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے۔ تاریخ انتقال کا پتہ نہین چلا۔

آبنوس ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے۔ جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے مین نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کیوجہ سے غریب آبنوس کا سرمایۂ عمر بیچ رہے تھے۔ مگر قیمت اسقدر مانگ رہے تھے کہ مین اس کو خرید نہ سکتا تھا۔ تقریباً دس جزو کا دیوان تھا۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس مین۔ سیاہ کالا۔ اندھیرا۔ یا اُنکا مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو۔ افسوس ہے کہ اُن حضرت نے مجھکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ جی بھر کر اسکو دیکھتا۔ اور اس سواد نامہ کا انتخاب کرلیتا۔ بیک نگاہ دیکھا اُسی مین جو شعر یاد رہگئے وہ لکھتا ہون اتفاق سے دیوان مین ایک شعر نظر آیا جسے دیکھکر شبہ ہوتا ہے کہ ان کا نام کالے خان تھا۔ مگر مجھکو اس گمان پر وثوق نہین ہے شعر یہ ہے۔

دیکھکر اس کی زلف پر قربان　　لوگ کہتے ہین مجھکو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہین ہے جسے دیکھکر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے مگر کہ ہے کمال کا نمونہ ہے۔ یہ کچھ آسان بات نہین ہے کہ تمام دیوان مین ایک جگہ بھی

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یونہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اسپر ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شایستہ :-

نمونۂ کلام یہ ہے -

یہ اُن کی زلف پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے
کہ کالے سانپوں میں منا سا کنکھجورا ہے

خلاف وضع ہے مرنا نہیں فرنگی پر
میں آبنوس ہوں فدا ہوں حبشن نگی پر

زلفیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جاننے والوں نے
کالی گھٹا کے کالے پھلیندے کھائے کھانے والوں نے

جانتے ہیں کہ آبنوس ہوں میں
مجھسے کہتے ہیں تیرا کالا منھ

ایڑی چوٹی پہ وار دو مجھکو
کالے پانی اتار دو مجھکو

اُسے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ
مگر وہ بت سلونا سانولا ہے

خال و خط اس کے روئے روشن پر
لال کملی میں کالے تل سمجھو

ترشروئی میں اُس کے موٹے ہونٹ
کالے شہتوت کے برابر ہیں

رام ہو جائے گا بت کافر
پوجتا ہوں میں کالی مائی کو

اِن چھوٹے چھوٹے دانتوں پر کیوں بار مسی کا ڈالا ہے
میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا ہے

خال ہیں اُس کے روئے انور پر
کالا دانہ پڑا ہے مجمر پر

دل میں کھینچی ہے زلف کی تصویر
ساتھ ہے میرے میرا کلوا بیر

سجدے کا نشان شیخ جی کا
ماتھے پہ کلنگ کا ہے ٹیکا

زلف شبگوں تمھارے چہرے پر
باغ کی ایک کالی کویل ہے

اخاہ سید ضمیر حسین نام ہے - اخاہ تخلص ہے - فیض آباد کے رہنے والے ہیں دور موجودہ کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں - ظرافت کے سوا اور کچھ نہیں کہتے - نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے - مگر ان کے استاد ایک قابل شخص ہیں

جنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں
اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں۔ کبھی کبھی افتاد طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے
شعر کہتے ہیں۔ چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں میں شامل کرنا اپنی عالی پایگی
کی وجہ سے ننگ سمجھتے ہیں اسیوجہ سے وہ تمام اشعار شاگردوں کی غزلوں میں شامل
کردیتے ہیں۔ حتی کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد جو اُن سے اس امر کی
اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھدوں تو مجھکو بھی اجازت نہ دی
اخاہ صاحب کے اشعار میں زیادہ تر تصرف مرشد یا فیض استاد شامل ہے مجھکو
میرے دوست سید مسعود رضا خلف اصغر جناب محمد رضا صاحب جسٹس لکھنؤ سے یہ
کلام موصول ہوا۔ موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا۔ مگر
افسوس کہ وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا۔ بہر حال
مسعود رضا صاحب نے اپنی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوادیا تھا وہی حاضر ہے
کلام شوخی اور زندہ دلی کے تصویر رنگین سے کم نہین ہے۔

بیوی نے کس خوبی سے شوہر کو آباد کردیا — اپنے ہوتا ہی نہ تھا مانگے سے پیدا کردیا

یہ کہتے پھرتے ہیں بہانے سے طالب و وطے — ہمارے قبلہ و کعبہ ہو کاشتکار نہین

دل غریب کو بس پھیر دو ہاندلی کبتک — کہ میں نظام نہیں دل مرا برار نہیں

میں نے ازبر کرنے کو فسکل اس ستم ایجاد کی — یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی

ہجر کی شب مجھسے جو بولے میں کہو نالہ کرلو — بک اٹھے دیا غالب[۱] کوئی کیئے نہیں فریاد کی

آگ رکھکر پھونکتے بھی تھے بچا اچھا ہوا — آشیاں کے ساتھ داڑھی جل گئی صیاد کی

آزاد کے اس نام سے ایک قدیمی اور پرانی بیاض میں یہ دو شعر ملے ان کے سوا نہ نام

---

[۱] غالب مرحوم کا ایک مطلع ہے ~ فریاد کوئی کیئے نہیں ہے   نالہ پابند نے نہیں ہے ۱۲

کا پتہ چلا نہ سکونت معلوم ہوئی شعر درج ہیں۔

ایک بڑھیا سے ہنسے کی یاری	ساری دنیا میں ہو گئی خواری
رات کو اُس کے پاس جب لیٹا	بولی چُپ ہو کے سو رہو بیٹا

آس ۔ یہ تخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے ۔ مگر جہانتک معتبر ذرائع سے سُنا گیا یہ تخلص صرف ایک جواب تھا اس کا ۱۱-۱۲۰ء ۱۹۱۱ء میں لکھنؤ میں ایک انجمن معیار کے نام سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا۔ اس انجمن میں لکھنؤ کے نامور شعراء شریک تھے صفی ۔ محشر ۔ عزیز ۔ ثاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے انجمن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں مرزا واجد حسین یاس عظیم آباد سے آئے۔ چونکہ مرزا یاس کو شاعری کا ایک فطری ذوق تھا ۔ اس لئے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے ۔ مگر چونکہ ان کو حسب خواہش داد نہ ملسکتی تھی اس لئے ان کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ ناانصافی کرتے ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شرکاے معیار حقیقتاً اُن کو اپنا ہم مشق اور ہم پلہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سنا ہے یہ بھی ہوا کہ ان کو بعض بعض مرتبہ بنایا گیا۔ مرزا یاس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری ۔ اہل قلم تھے خاموش نہ رہا گیا ۔ اعتراضات کرنا شروع کئے ۔ اور حریفوں کو دندان شکن جواب دیئے اُدھر سے اِن کے مقابلے میں ایک فرضی شخص متخلص بہ آس پیدا کیا گیا اور اُسی کے نام سے یہ فخریہ رجز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

ہر آں کو نہ داند بہ داند مرا	ستایش کنند تا تواند مرا
جہاں پہلوان آس یہ دل منم	بہ گردان معنی مقابل منم
سپر پیش من جملہ انداختند	رمیدند و مردند دل باختند

ہلاکو وشان بدریم ما | پے بزدلاں شیر نریم ما
نہ از خیل آتش پرستاں منم | نہ یزداں کہ درکیش یزداں منم
بکف اندرم نیزۂ از قلم | منم طعنہ بر مصحفی میزنم
یلے ہمچو من نیست اندر جہاں | ہر شہ زبانم ہزبر زیاں
نماید اگر روے من ہمچو تیر | بدل یاس را دیدہ دوزم بہ تیر
کہ در قلب مومن نگنجد ہراس | بود در دلِ کافراں جاے یاس
دلِ کافراں ہمچو دوزخ بود | ندوزخ پئے یاس مطبخ بود
بہ قرآں کہ خواندیم لاتقنطو | تفو بر رُخِ یاس اینک تفو

آزاد - ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا لُہار اور بدایوں کا رہنے والا تھا - محبی نمر بدایونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوے -

آزاد کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم | کاندھے پہ لیے پھرتا ہے چھپر کئی دن سے
ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی بہار آئی | اگر خوشبو کی خواہش ہو تو دو نادیکھے کروالو

آسی - خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے - اگرچہ زمرۂ ظریفانِ خوش مذاق میں میرا شمول اور شمار نہیں ہوسکتا - مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں لہذا اُن اشعار کو ضایع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا ظرافت میں مجھے اکبر کا رنگ سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے - بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی بعض جگہ خود ہی تفصیل کردوں گا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تطویل سمجھوں گا - میرا مولد و مسکن قصبہ آلدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شرفا کی بستی ہے - بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے - میری پیدایش ۱۸۹۳ء میں ہوئی ۱۸۹۸ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا - پھر قرآن شریف کے کچھ پارے حفظ کئے - بعدہٗ ناظران مصحف شریف کو تمام کیا - اور فارسی شروع کی ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا - لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصبہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھکر عربی شروع کی اور صرف - نحو - منطق - فقہ - حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعدازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں - ۱۹۰۱ء میں طب کا شوق ہوا - اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب مرحوم سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مزاولت رکھی -

شعروشاعری کا شوق ۱۹۰۶ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا - مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی - لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل دیدیئے گئے - اور اب مشکل سے مجھے اُن میں کا کوئی شعر یاد ہوگا - ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی بھی ہیں میرے پاس ہے - اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں اُن لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مروتاً ان کو بہت کچھ لکھدیا گیا - ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں -

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جن کو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے - ظریف اللغات - جی چاہتا ہے کہ اس کا نمونہ کچھ درج کروں - مگر بیکار ہے - خندرستان ناول چار حصہ یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو ایک خاص سبب سے

لکھا گیا تھا۔ پھول وتی چار حصہ۔ یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے۔ اور سندر شانتا سنتی کے نام سے بھی معروف ہے۔ علم الشعر اس کے پانچ حصہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر اس وقت تک حصۂ اول لکھا جا چکا ہے جس میں شعر کی ماہیت پر ایک فلسفیانہ بحث کی ہے۔ ملا زاغلول۔ ایک ناول ہے جس میں حاجی بغلول کے رنگ میں پیرانہ ہوسناکیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اقوال اکبر۔ اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا آئین اکبری سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عیار فقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گداگری کے متعلق ایک نہایت عبرتناک قصہ لکھا گیا ہے۔ ترجمۂ پارۂ الحمد۔ قرآن شریف کے پارہ ۳۰ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ابتک چھپا نہیں ہے۔ شرح تحفۃ العراقین خاقانی کی مایۂ ناز مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح جو اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک زمانہ میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ شرح دیوان غالب اردو۔ غالب کے اردو دیوان کی شرح ہے۔ جو متداول اور مشہور ہے۔ رسالۂ علم نفس سائنس کے متعلق ہے جس کو بھاشہ یا سنسکرت میں سروم کہتے ہیں یہ بھی ہنوز غیر مطبوع ہے جو عنقریب چھپے گا۔ تذکرہ نسواں شاعر عورتوں کا تذکرہ جسمیں اردو فارسی کہنے والیوں کا بیان ہے چھپ رہا ہے۔ تذکرہ الظرفا۔ یہ تذکرہ ہے جو اسوقت لکھ رہا ہوں۔ ان کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی برابر ہیں۔ ایک تذکرہ شعرا اور بھی لکھا تھا۔ مگر اس کے چھپنے کی بظاہر کوئی امید نہیں۔

میں نے اوائل جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں اپنے مولد و مسکن کو خیرباد کہا اور پہلا قدم غربت میں رکھا۔ اسی زمانہ سے میں سنہ ۱۹۱۱ء تک مستقل طریق پر دہلی رہا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۱ء کے آخر میں شاہجہاں پور چلا آیا۔ جہاں سنہ ۱۹۱۲ء تک عربی فارسی پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۳ء میں پھر دہلی چلا گیا۔ اور مطبع ہمدرد۔

دلکشمی پریس میں ملازم رہا۔ چونکہ ۱۹۱۴ء کا زمانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے نہایت آشوبناک تھا۔ اور اُس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ بھروسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نولکشور میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی۔ کبھی کچھ مومن کے رنگ میں کہتا تھا۔ کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا۔ اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق گلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا۔ مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوگئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جا رہی ہے۔ اور دلی کے اساتذہ صرف شوخی داغ کہن کی وجہ سے گلفروشی کر رہے ہیں۔ باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے۔ جو اب تک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ میرا جی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کر کے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں۔ مگر خوبیوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبیوں پر غالب تھیں۔ جذبات میں تصنع اور آورد۔ صنائع بدائع پر شاعری کی بنا رکھنا تو ناسخ کے وقت سے اسمیں داخل تھا۔ مگر اس زمانہ میں تین فرقہ نظر آئے۔ ایک وہ فرقہ تھا جو کہنہ مشق کہلاتا تھا۔ اُن کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے۔ جس سے روح کو اہتزاز ہونے کے بجائے اچھا خاصا تنغص ہو جاتا ہے۔ سُننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جنکا حساب نہ زمانۂ حیات میں لگایا جاسکتا ہے نہ موت میں۔ دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعویٰ کیا تھا اور آثار سلف کو نسیاً منسیا کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامین بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

چاہتا تھا۔ مگر ماہران فن جانتے ہیں کہ درد و اثر پیدا کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جنکے دل پر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جو اپنے خرمن صبر و سکون کو برق جانسوز عشق کے نذر کر چکے ہیں جنکو ابر بہاری کی طرح فضاے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ میر و مرزا کا متبع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے دل میں برشتگی کا طلبگار ہے۔ دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ اُدھر یہ عالم اِدھر ان مدعیان بیخبر کے یہاں۔ نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بہک گئے اور ایسے بہکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غربت میں لیجا کر سراسیمہ و حیران آشفتہ و پریشان چھوڑ دیا۔ خدا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ نزع کا عالم آخری ہچکی تشنج اعضا۔ دم توڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں اینٹھن وغیرہ ہی تاثیر و تاثر کی جان ہیں۔ غرضکہ ان لوگوں نے انھیں مضامین یا زائد از زائد مشکل ترکیبوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تا اینکہ لکھنؤ کی تمام فضائے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہوگئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔ تیسرا گروہ تھا جسکو دعوی تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زباں داں ہیں حالانکہ یہ دعوی بھی صرف زباں درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جن میں محض عورتوں کے ناز و نخرے۔ اداے بیحجابانہ۔ انداز بیباکانہ۔ انگیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اصلی اوصاف بے تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آمد۔ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جبکہ میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر ان مذکورہ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ اُس کو داد دیجائے میں سخت حیران و پریشان تھا۔ نہ راے رفتن نہ جاے ماندن۔ مجبوراً اُس رنگ کو جو مرزا داغ کا متبع تھا میں نے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے

بین بین غزل کہنی شروع کیں۔ اور حتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا ورد کے ساتھ اظہار کرتا رہوں۔ اسی روش پر اسوقت تک قائم ہوں۔ مگر حاسدان بدبیں کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے۔ تا انکہ اب بُرا بھلا کہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذلک فضل اللہ الخ انھیں اثرات سے متاثر ہو کر ایک روز بے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا۔

احباب کی شکایت بیجا ہیں کیا کروں ۔۔۔ میرے ہنر کو ہیں ستم آسماں پسند

چونکہ یہاں پر تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہذا اس کو دل میں محفوظ رکھتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا اسوقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں۔

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں ۔۔۔ ہاں مگر وہ تے تھے سب جس سے وہ ہمت نہیں

قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سنا ۔۔۔ جج نے تو یہ کہدیا جاے ہمیں فرصت نہیں

ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سنی ۔۔۔ پا پیادہ چل سکیں دو کوس یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا

جناب شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں ۔۔۔ پڈنگ اچھا ہے حلوا اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا

مرے سوز دروں کو مجھ سے سنکر ڈاکٹر بولا ۔۔۔ کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا

ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعف بینائی ۔۔۔ چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے ۔۔۔ ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہو گئے اس دور نامیمون میں ۔۔۔ پائجامہ جذب ہو کر رہگیا پتلون مین

اس کا اقرار ہے ہمکو بھی کہ اچھا گائی
دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہے گُندن بائی

میرے شاگرد امین نے ایک ہوٹل قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہکر سنایا۔

بھٹیاریوں کے چھُٹ گئے نہ اب آپ کھائیے
ہوٹل میں رہیئے اور مٹن چاپ کھائیے

جن کو درازیِ شبِ غم کا گلہ ہے کچھ
بنگالنوں کے جاکے ذرا بال دیکھ لیں

کچھ کمدر ہوا اگر طبعِ ظرافت سنج میں
دیکھ لے جا کر مسوں کا رنگ حضرت گنج میں

ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو نفاق پھیلا ہے اُسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

اختلافِ مذہبی جسوقت پیدا ہو گیا
اتحادِ قوم چوں چوں کا مربا ہو گیا

قومی ترقیوں کی عجب ریل پیل ہے
کہتے ہیں جسکو جیل وہ لڑکوں کا کھیل ہے
لیڈر نہیں ہیں کہیئے انھیں ساربانِ قوم
اِنھوں انھیں کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے

کیوں کریں ہم خانساماں کی رسوائی قبول
کیک دشوار الطلب ہے روٹیاں سہل الحصول

یہ نیا دور ہے ہر رسم کی تجدید کرو
کوئی قیدی جو چھُٹے جیل سے تو عید کرو

کچھ شاعرانِ نکتہ داں ایسے بھی ہیں جنکے یہاں
جتنے بلند الفاظ ہیں اتنے ہی معنی پست ہیں
ان کو برا ہم کہتے ہیں ہمکو بُرا وہ کہتے ہیں
وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آجکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں
شیخ بیچارہ تو آسی مفت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کے ہمنے بزرگوں سے
مگر بد قسمتی سے آجتک معنی نہیں سمجھے

شب غم ہے روز قیامت کی جورو
مگر میرے نزدیک دونوں بُرے ہیں

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی داستاں
یہ کہکے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے

مقام عبد کا معبود سے جدا ہی رہا
بتوں سے ہو نہ سکا کچھ خدا خدا ہی رہا

خیال قوم ہی ہر وقت اور بندہ ہے
سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندا ہے
جو جوش قوم بڑھائے وہ ہی مری اسپیچ
جو ہوش اڑائے جہاں کے وہ اُن کا چندا ہے

جناب شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر
شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

بھولا ہوا ہوں ذکر حسین و بتول کا
قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

دل میں اودھر ہو جوش اُدھر شانتی بھی ہو
اِس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم اُلّو ہیں
اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خان بہادر ہیں

یہ تو کہئے کہ حضرتِ ناصح
آپ انسان ہیں کہ بندر ہیں

میں اپنی ضد پہ آؤں تو اے ناصح شفیق
ساری نصیحتوں کا جواب ایک جام ہے

وبالِ جان ہوئی ہے یہ مغربی تعلیم
کہ اس زمانہ میں کالر گلے کا پھندا ہے

اس سے بہتر اچھے ہیں اعظ کے وہ قول کفر کے
ڈارون نے تو ہمیں النسانسے بندر کر دیا

کیا پوچھتا ہے حالت دل اے طبیب تو
چاہے جو خیریت تو نہ آنا قریب تو

اے شیخ تجھکو حالت جنت بتاؤں میں
دم بھر کو اپنے ہاتھ سے رکھدے جریب تو

آشفتہ ۔ عنبر شاہ خاں نام تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل شخص تھے قائم چاندپوری سے اُردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو اپنا کلام دکھاتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک بیاض ریاض عنبر ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریق الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ تدقیق الخیال ان کی یادگار ہیں۔ ۱۲۳۰ھ تک بقید حیات تھے۔ آخر وقت میں مرادآباد آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید خاں کے گھیر میں مدفون ہوئے۔

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے۔ بات بات میں مذاق کرتے تھے۔ اور ظرافت ان کی طبیعت ثانیہ بنگئی تھی۔ ذوق ہمہ گیر پایا تھا۔ کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے۔ تلاش اور محنت کے بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

شرارت تھی بھری ہرجائی کی ایک ایک بوٹی میں
ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں

کوئی توجہ ایسے سٹنڈے سے اپنے جی کو الجھاوے
مری انگیا گئی ہوتی ابھی نوچا کھسوٹی میں

آشوب ۔ یعقوب علیخاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے زندہ دل، یارباش خوش خلق تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

نہ تھا جو جان صاحب یا رنگین کا تھا- بلکہ ان سے مختلف طرز تھا- اب سے چالیس پچاس برس پہلے کے شاعر ہیں- نمونہ کلام یہ ہے-

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازار بند ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازار بند

لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند

قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازار بند

کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازار بند

پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے بانکا چھبیلا اور رسیلا ازار بند

کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب ہیں کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازار بند

آشوب اُن کو ڈر ہے کہیں ناف ٹل نہ جائے اس واسطے وہ ڈالے ہیں نیلا ازار بند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا

نہیں رکھتا پائی بھی اک دن بچا کر کہ بھٹیارہ چٹو ہے ہمسائی والا

میں کیوں سامنے آؤں ایسے موے کے کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا

نہیں تن پہ کپڑا ابھی لیرے لگے ہیں بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

اُلکر لیس- احمد شاہ کے زمانہ میں ایک مسخرا تھا- جو کوئی اس کے سامنے رباعی یا شعر پڑھتا تھا- خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا- وہ بھی اس کا جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا جب کہتے کہ پھر سناؤ تو دوسرے طریق پر سُناتا- افسوس ہے کہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا-

---

آشوب - میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چیچک رو دراز قد ہے۔ نہایت مسخرا ہے۔ پوچ بے معنی شعر کہتا ہے۔ خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اُسی کا ہے۔

در عشق تمے جیوڑی یہ ست مچا پچ   یہ پھرکی وہ دنّا یہ غچ وہ غچا غچ

اٹل - تخلص میر عبدالجلیل نام، نارنول کے رہنے والے تھے۔ میر جعفر زٹل کے معاصر تھے۔ کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا۔ نہایت بانکے سپاہی اور وضعدار تھے۔ ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی۔ جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا بانکے کا دور دورہ تھا۔ چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے۔ لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی۔

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں عجب خلط مبحث سے کام لیا ہے۔ مسٹر الیٹ فیلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے غالباً میر عبدالجلیل واسطی کے ہمنامی نے اُن کو دھوکے میں ڈالا۔ حالانکہ میر عبدالجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تذکرہ خمخانہ میں اُن کو دہلوی لکھا ہے۔ مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نارنول کا رہنے والا بتایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے۔ میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے۔ مثلاً پناہ بڈائی وچوڑائی میر محمد جعفر زٹلی بڈے بھائی ہر روز از وبا و میالی سکھی باشند۔ از سید اٹل بعد از دہینگ و جوہار بہت و بسیار و منوہار بسیار او جھل و مخفی نماند۔

اسی رقعہ میں یہ حضرت میاں جعفر سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "اہنگ ملاپ واشتیاق آں یکۂ آفاق از حد پرگھٹ و بنپت بیروں واز جہت اندیشہ افزوں لیکن بموجب آنکہ کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِھَا حوالہ نمودہ دوانچہ مے نگارد"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میر اٹل ابھی میر جعفر زٹلی سے ملے نہ تھے۔ اگر دہلی کے رہنے والے ہوتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے معاصر اور ایسے مشہور معاصر سے ملاقات نہ کرتے۔ بہر صورت بہت ممکن ہے کہ اس خط کے بعد ہی وہ دہلی آئے ہوں اور پھر یہیں سکونت اختیار کی ہو اور جعفر زٹلی کے شاگرد ہو گئے ہوں۔ کلام تلاش سے بہت کم دستیاب ہوا۔ جو کچھ ملسکا یہ ہے۔

چھپر "میر اٹل" زبارش و باد
می چکد ہمچو کہنہ بند وکشاد

تجھے دے خدا پھول پھل و دھ پوت
چو سُبْحَانَ حَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ

زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے
جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے

رجپوت بچہ نازنیں زلفیں رکھے جوں مارکج
زلفان کج و ابرو کج و مژگان خنجر دار کج

ظالم کمالے شوخ و شنگ و بیمروت پرجفا
دستار او مکدار کج زلفش عجب بلدار کج

کرتی ہے قتل عاشقاں برچھی ہر وہ ترچھی نگاہ
گھوڑے چڑھا سوار کج باندھے کمر ہتیار کج

ایں طرۂ خوش رنگ او نیرنگ کاری بر دل
گا مے کج و طرۂ کج و اس طرۂ پہ پرتا نہ کج

....

دیکھ سجن کے حسن کو جھوم رہا ہے جگ سبھی
روز نظارہ ایسے کا مارے اٹل اچک اچک

اثر۔ سید مخدوم عالم نام تھا۔ مارہرہ کے پیرزادے حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم مقبولؔ کے خلف اکبر تھے فارسی کی قابلیت نہایت اچھی تھی تھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے تھے۔ نظم و نثر اردو کے ماہر تھے۔ ظریفانہ رنگ کے

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ کلام ایسا ضائع ہوا کہ پھر مل نہ سکا۔ مجھ سے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کر کے بھیجدوں گا دو ایک مرتبہ یاد بھی دلایا مگر انھوں نے ایفائے وعدہ نہ کیا بہر صورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعظ کسی میخانہ میں ہوگا گزر گیا — جو چاہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے — بات پتے کی جو سُنی کھو گئے

اُجاگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اسوقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام و کلام کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ مجبوراً تخلص لکھدیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمٰن نام تھا۔ دلّی کے مشہور و معروف استاد سخن گو تھے۔ شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا نیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استاد سلاطین کے معزز لقب سے مشہور تھے بڑے بڑے مشہور روسار اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ مگر اصلی توجہ غزل کی جانب تھی۔ فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا قول تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعر اساتذۂ فن کے آپ کو یاد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" یہ مصرع "نامناسب ہے میاں وقت سحرگاہ نہیں" لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحرگاہ پر اعتراض کر دیا۔ یعنی۔ وقت

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں - فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا -

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد　　خواب بسنگ وقت سحر گاہ گراں میگردد

تمام معترضین سنکر سناٹے میں آگئے - اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنداً کسی استاد کا شعر لکھدیا کرتے تھے -

اکبر شاہ ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ ہمیشہ شریک رہتے تھے - شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب سے اور ان سے کبھی کبھی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی - ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پر چوٹ کرتے ہوے یہ شعر کہا تھا -

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا　　جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح زبان جانتے تھے - اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی نامانوس ترکیبوں دور از کار تشبیہوں - تکرار اضافات وغیرہ سے آپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے - بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا - اور کچھ درماہہ معین تھا - ایک مرتبہ ماہواری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا -

صید ماہی و صید دل شاہا　　خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب

جال ہوں اور شکار مچھلی کا　　یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب

قطب صاحب تھے جب حضور گئے　　وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب

اس کو بھی حکم ہو نکل آئے　　صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگویوں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیے تھے اسی وجہ سے غریب احسان قلعہ میں آجا نہ سکتے تھے - سلام مجرا سب بند تھا - آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک قطعہ نظم کرکے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد و رفت جاری ہوگئی قطعہ کے بعض

شعر یہ ہیں۔

عرض غماز پذیرا ہوئی میرے حق میں | کیا گیا میرا اگر اسکا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہو | سُن کے ابیات اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہ جہاں قدر شناس احسان | خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہو | قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا۔

حضرت احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا۔ مگر پھر بھی اتنے بڑے شہر دلی کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں۔ تمکنت۔ غرور۔ خودداری۔ نام کو نہ تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر رنگ میں شعر کہتے تھے شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی یدطولےٰ حاصل تھا۔ اور تاحین حیات تفنن طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے جو سُننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے ۱۲۶۷ھ میں پچاسی برس کی عمر پاکر انتقال کیا۔ تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ؎ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احسان اٹھ گیا ہرچند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں۔ وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

قاضی مے گلگوں کی حرمت ہے کتابوں میں | لیکن بڑی ذلت ہی رشوت کا بچا جانا
بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش ہیں | مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بچا جانا
ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہوا یعنی | جب رات بجے آدھی ہم پاس تو آ جانا
دلا دو زلف سے دل ورنہ سب کہتا ہوں | کہ مجھکو ایک لٹیرے نے ہے ابھی لوٹا
تنخواہ ایک بوسہ ہے تسپر یہ حجتیں | ہے نادہند آپ کی سرکار بے طرح
نہ چھوڑ زدجہ شیخ اب تو شیخ کا اخلاص | اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص
دھونڈھتے بہر شکم ہیں سراندر دولت کو ہم | یاں تو دوزخ کی پڑی ہے ترسیں گے وہاں جنت کو ہم
قیمت بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہو یہ | آج بے قیمت ہی لینگے جنس بے قیمت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نگلے انگور
اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم

خفا مت ہو مجھ کو ٹھکانے بہت ہیں
مرا سر رہے آستانے بہت ہیں

شکم پرور قیامت کو پچھتائیں تو میں جانوں
کہ دوزخ لیئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں

دو بھی بوسے مجھے اک ماہ میں لے ماہ نہ دو
وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

احسان - احسان علی نام ہے - صحبتیا باغ لکھنؤ میں قیام ہے - تجارت وحرفت سے کسب معاش کرتے ہیں - جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے - دس بارہ برس سے شعر کہتے ہیں - چونکہ استعداد علمی معمولی ہے - اسی لئے بہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف زیادہ توجہ ہے - غزل بھی جب کہتے ہیں تو اچھی کہتے ہیں - ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک مصرع بھی زبان پر نہیں آتا - جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں - راقم الحروف کے بھی شناسا ہیں - نمونہ ظرافت یہ ہے -

ابے دربان ڈانٹتا کیا ہے
آئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے

آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار
اب مسیحائی میں رہا کیا ہے

چوچج دکھلا کے مجھسے کہتے ہیں
یوں نہ ہو چھیڑ تو مزا کیا ہے

دونوں یکساں ہیں اہل دل کے لیئے
نوچی کیا اور نائکا کیا ہے

سن لیا ہے جو نام احساں کا
کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے

جھنجھلا کے قیس بولا دربان کی نہیں پر
اچھا بچا کسی دن تنہا ملو کہیں پر

یہ کالے کالے مسے کب ہیں رخ حسیں پر
حبشی بچوں نے ڈاکا ڈالا ہے ملک چیں پر

آزادیوں کا تمکو گر فیض دیکھنا ہو
نسوانی اک مدرسہ قائم کرو کہیں پر

تم میرے پیارے جانی اور میں تمہارا خادم
یوں حاشیہ چڑھایا میں نے جنابِ حسیں پر

مونچھوں سے کوئی سیکھے پست و بلند ہونا
اونچی بھی ہیں کہیں پر نیچی بھی ہیں کہیں پر

دیکھا میاں افیمی پینگ کا رنگ دیکھا
ٹانگیں ہیں آسماں پر اوندھا ہے سر زمیں پر

مشکل نہیں ہے کوئی احسان وصل کی شب
آسانیاں ہیں صدقے عاشق کی دسلیں پر

زر کو اس درجہ پیار کرتے ہیں
جورو بھی مالدار کرتے ہیں

رغبیہ مکھی پکڑ کے کہتے ہیں
یوں شکاری شکار کرتے ہیں

کیا زمانہ بہادری کا ہے
مرد کو مرد پیار کرتے ہیں

آپ کے باپ کا اجارا ہے
ایک کیا ہم ہزار کرتے ہیں

مسی آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں
اب وہ الٹا سنگار کرتے ہیں

ترقی انفلوانزا نے اتنی کی زمانے میں
کہ عطاروں نے ریٹھے دیدیے آکو بخار دنیں

اکڑ کر بیٹھتا اُن کا گدھے پر صاف کہتا ہے
سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ہو گئے ہیں شہسوار دنیں

کوئی ہے بوجھنے والا پہیلی اک بجھاتا ہوں
وہ کیا شے ہے جو مرجھائے تو بل جائے چھوہار دنیں

نکل آئے ہوائے احساں ادھر تو ذائقہ چکھ لو
غذائیں اچھی ملجاتی ہیں اکثر پردہ دار دنیں

بیکاریوں کا شغل جو آزار ہو گیا
ہر دن ہمارے واسطے اتوار ہو گیا

پھانسا ہے مرغ دل کو مرے دام زلف میں
ابتو وہ رشک حور چڑیمار ہو گیا

پھوں پھوں سے میرے زہرہ گیا آب غیر کا
نالہ اثر میں سانپ کی پھنکار ہو گیا

احساں رہیگا چپ ہوں کا یہ دوستو کے سر
گر غیر کو بلیگ کا آزار ہو گیا

کچھ غم نہیں جو زخمی بھرا نامہ بر مرا
اچھا ہوا کہ سادہ تھا گلدار ہو گیا

چھبکا لگا کے آیا ہے رد ے صبیح پر
ابتو وہ ماہ اختر د مدار ہو گیا

جواب صاف بزازوں کو ہر اک مل سے ملتا ہے　　　کفن اب مرنے والوں کو بڑی مشکل سے ملتا ہے

عمر بھر یوں ہی رہا ہمکو فراق جاناں　　　جسطرح ماہ ستمبر سے نومبر نہ ملا

کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرسمس ڈے کا　　　جنتری ہی میں ہمیں ماہ دسمبر نہ ملا

عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلات احساں　　　پر مقدر سے کبھی رہنے کو چھپر نہ ملا

صدقے میں اس بنی ہوئی متوالی چال کے　　　اکبار پھر چلو ذرا کولا اچھال کے

تہوار بھی وبال ہیں باعث سے کال کے　　　کی اب کی عید خالی سویاں اُبال کے

ٹھکرا کے قبر ہو گئے لنگڑے ادا بڑہی　　　اب چلیئے خوب شوق سے کولا اچھال کے

بعد مہ صیام تو کیوں خستہ حال ہوں　　　کھائے ہیں میں نے روزہ میں ٹکڑے جھال کے

دل صاف کر کے آئے ہیں محفل میں آج شیخ　　　لا ساقیا شراب کٹورا کھنگال کے

اثر آخر کو کام آ ہی گیا جذبِ محبت کا　　　میاں زاہد کے گھر ڈولا گیا بی بی فضیلت کا

لڑکپن میں یہ عالم ہے میاں مجنوں کی الفت کا　　　کھلونا ڈھونڈھتے پھرتے ہیں بی لیلی کی صورت کا

مکان دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسدن سے　　　ہوا ہے شوق انکو جب سے عاشق کی مرمت کا

میاں مجنوں نے اے احسان سنتے ہیں کہ رحلت کی　　　صفاچٹ ہو گیا میدان صحرائے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرتِ شمشاد کا　　　ہو قلم بھی جیسے گھنٹا گھر حسین آباد کا

....　　　.......................

جرمنی گولہ تو اسی میل تک دیتا ہے کام　　　آسماں تک جاتا ہے گولا مری فریاد کا

احسن - ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن قلی - اور مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس اور صنمخانہ میں احسن لکھا ہے - مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی - مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں -

کہا جو میں نے کہ رُخ کو ترے قمر نہ لگا
بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

جام مے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس کے بیچ
غیروں کو بیہم دیے اور یار منہ کھولے رہے

اکثروں نے پی اور اکثر قطرے کو ترسا کیے
لڑھ گئے دو چار اور دو چار منہ کھولے رہے

احمق - اسم گرامی مصطفٰے خاں ہے - بھپوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں - اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالبًا فی زمانہ وہی ذریعہ معاش ہے آپ کی عمر اسوقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی - مشق شاعری بھی بیس پچیس برس کی ہوگی - آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں جابجا ظرافت بھی شامل ہوتی ہے - سنہ ۲۱ یا ۱۹۲۲ء میں جب آپکو سیاسی معاملات میں قید ہوگئی اُسی زمانہ میں آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا - اور ایک چھوٹا سا مجموعہ زندان حماقت کے نام سے شایع کرا دیا جسکو دیکھکر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعر انتخاب کرکے نذر ناظرین کرتا ہوں آپ کی علمی لیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے - مگر کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دستگاہ حاصل ہوگی نہایت خلیق - ملنسار اور نیک طینت آدمی ہیں - غائبانہ بذریعہ مراسلت خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے - انتخاب درج ذیل ہے -

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن میں
کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں

اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے رکھتے ہیں پاؤں
خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے

کہتے ہو کہا جائینگے کجا ترے دل کو یہ کیا
وہ بھی ہے ناشپاتی ہی کوئی امرود ہے

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں
پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو

شام و عراق و ٹرکی سب ہیں تمھاری خاطر
مرقد کی فکر کیا ہے چاہو جہاں بنالو

بھاگنے کی ہے یہاں راہ نہ پٹنے کی سکت
آہ لائی ہے کہاں حسرتِ دیدار مجھے

میں وہ پنڈت ہوں کہ اس دور کے اکثر مہراج
دور سے دیکھ کے کرتے ہیں ننسکار مجھے

کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا
وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں

یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں اُن میں
مِسوں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں

رقیبِ روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ
بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولادِ بندر ہے

سنبھل او آسماں پتلون کے تسمے ذرا کس لے
کہ میری آہِ سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبتِ صالح میں رہ کر ہو گئی اصلاحِ حال
میں گدھا تھا شیخ کے پاس آکے خچر ہو گیا

یہ تیرے دہن کی ہے مہک یا بتِ بدخو
بو تیل کی پھیلی ہے کنستر سے نکل کر

خانۂ دل میں خیالِ یار رہنے دیجئے
اس مکاں میں یہ کرایہ دار رہنے دیجئے

ہیڈ کر دیجئے عدو کو شہر میں لیکن مجھے
گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار رہنے دیجئے

جا نہیں سکتی عدو کی سستیٔ اعصابِ عشق
روغنِ زرنیخ و سم الفار رہنے دیجئے

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھکر　　اُسکو کارڈ بھیجدیجیے تار رہنے دیجیے

باوجود اس اتقائے خاص کے بھی نیچ جی　　بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوے
ایسے وعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکار صاف　　دو مہینے ہوگئے ظالم کو ٹر خاتے ہوے
ریل گاڑی میں لکھی ہے ہمنے احمق یہ غزل　　فتح گڈھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوے

گُل عارض پہ ترے بلبلِ شیدا کی طرح　　ایک اُلّو بھی تو کمبخت غزلخواں نہوا

چمن جب نذر صرصر ہونے والا ہی تو اے بلبل　　یہاں یہ گھونسلے کسواسطے تونے بنائے ہیں
وفا کا امتحاں گو سخت تھا لیکن میاں کلّو　　خدا کا شکر ہے کالج میں سب سے فسٹ آئے ہیں
مزا لوٹا نہیں گلچینیِ باغ محبت کا　　ابھی تک آپنے اے جانِ من کوے اڑائے ہیں

خداوندا تعلق کچھ تو حسن و عشق کا کردے　　مجھے بندر بنادے یا انھیں کو تو گدھا کردے
وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا　　جو دو روٹی پکا کر ساتھ اُنکے ناشتا کردے
دلِ عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ　　وہ اس گھر کو تمھارے واسطے بیت الخلا کردے
وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا لیجانے والے ہیں　　الٰہی دو گھڑی کے واسطے مجھکو گدھا کردے

جب کوئی اونٹ دیکھتا ہی قیس دور سے　　چلّاتا ہے کہ وہ مری لیلا سوار ہے

....　　..................

....　　..................

لڑکپن ہی میں جنکو دل چرا لینے کی عادت ہے — ڈکیتی پر بھی آ جائینگے وہ شاید جواں ہو کر
مرا دل اور اُنکی آرزو یوں ہیں بہم گویا — رہیں دو آدمی باقاعدہ بیوی میاں ہو کر

اک پردہ نشین جب سے کرایہ پہ ہے اسمیں — رہتا ہے مرا خانۂ دل آٹھ پہر بند
کسدرجہ پشیمان ہوئے ہیں وہ سرِ بزم — پاجامے میں اتنا بھی نہ بودا ہو کمربند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں — اک پیالی چائے کی حسرت بھی ابتک دلمیں ہے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار — نوبت آئے گی ہاتھاپائی کی
کشتی دل کی بحر آتر میں — لاٹ صاحب نے ناخدائی کی
ہائے تقریب وصل کیا ہو گی — اُن کو عادت نہیں مٹھائی کی
مُنڈ گیا جا کر اُن کے کوچے میں — کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی تمنے — کاٹ لی ناک پارسائی کی

آنکھوں نے رو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا — گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا
شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں — نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شراب کا

دورِ سبو ہے اور وہ یوں بے لکان ہے — گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے
ذلت اٹھا کے غیر وفادار بن گیا — ہلدی جو پس گئی ہے تو اب زعفران ہے

تعزیر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر — پاجی گدھا سور تو مقرر بنائینگے

شیرینی وفا کی ہے بہتات گر یہی
حلوا فروش گڑ کو بھی شکر بنائینگے

سوال وصل پہ مارِ عدو کو
یہ اس الّو کے پٹھے نے کہا کیا

ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں
میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا

چلے کالج سے پہونچے کونسل میں
ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی راز داں نہیں ملتا
یہ اونٹ وہ ہے جسے قدر داں نہیں ملتا

کچھ اُن کو اپنی جفاؤں پہ غیرت آئی ہے
تو ڈوبنے کے لئے اب کنواں نہیں ملتا

وہ مرگ غیر پر اظہار غم کریں کسطرح
کرایہ پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

تو نے اے عشق زنخداں ہو کے ارزاں سچ یہ ہے
سیب جیسی چیز کو ہم ترخ شلجم کردیا

کام آئی عاشقوں کے انکی دریوزہ گری
کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کردیا

حرص کوثر ہو تو دوزخ میں جلوں اے ساقی
مجھکو کچھ اور نہیں چاہیئے کنٹر کے سوا

اور بھلا کیا مجھے پالش کا صلا کیا ملتا
حضرتِ بوٹ کی سرکار سے ٹھوکر کے سوا

بس وہیں بیٹھ کے فرمائینگے تلقین صلوٰۃ
شیخ جائیں گے کہاں بزم مزعفر کے سوا

دلِ شیخ محو مناجات ہے
شب لیلۃ القدر کی رات ہے

وہاں چھپ کے جاتا ہی غیر اسطرح
جو دیکھے یہ سمجھے مسمات ہے

جاگیر نجد کام ہی آئی کہ آخرش
مجنوں کا خاندان زمیندار ہو گیا

لکنت نے خوب کام بنایا دم وصال — انکار کرنے والے تھے اقرار ہو گیا

قدرِ موزوں کو جانتا ہوں کیجور — شاعری مجھکو گر نہیں آتی

دور دورا ہے چمن میں ظلم واستبداد کا — خوب اُلّو بولتا ہے آجکل صیاد کا
پسینے آئی ہے تربت میں مجھے سختی گور — لاٹ صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا
ہمنشینوں کی جدائی شاق ہو جاتی مگر — ہے چڑیماروں کے ٹولے میں مکاں صیاد کا

جتنے سخن طراز ہیں مستِ خرام ناز ہیں — یار کی ڈیڑھ ٹانگ میں لطف ہے مستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے اے فتنہ خو نہیں — دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

انکی الفت سے تو بہتر تھا کہ ہم — کہیں بندر ہی نچایا کرتے

ہاتھ آتے جو وہ شیرینی لب — ہم بھی شبرات کو حلوا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم — آپ ہی کہئے گذر کس طرح ہو فففٹین میں

ایک چکی ایک پاخانہ کا برتن ایک کپ — کون کون اپنا شریک قید تنہائی نہ تھا
مونڈتا ایسا کہ سر میں ایک بھی رہتا نہ بال — خیر گزری چاہنے والا ترا نائی نہ تھا
یہ سمجھکر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں — ان کے ہاں گھتے کی عزت ہے مگر میری نہیں

ہم اور عرض مطلب اُنسے عدو کے گھر میں
دیکھیں تو یاں کتنے رہتے ہیں آج سر میں

ہیں یاس و حسرت و غم فکر دل و جگر میں
ان بالشو تکوں سے ہو ملک جاں خطر میں

ہر دم یہی تماشا ہے انکی رہگذر میں
نکلا اک اُنکے گھر سے ہو بیچا اک اُنکے گھر میں

غربت میں جو میسر ہو جائے ہے غنیمت
گاڑھے میں نقص کیا ہے خوبی ہے کیا لٹھ میں

کلو کے لیں تو شاید ملے ہو رہ محبت
ہر راہزن کا کھٹکا ہوں فکر راہبر میں

کل قصد ہے جو نا صح تشریف آوری کا
پسوا کے تھوڑی ہلدی رکھ آئیے گا سر میں

....

بوسے میں ہے ملاحت گالی میں ہے حلاوت
کچھ ہے شکر نمک میں کچھ ہے نمک شکر میں

....

دل جسپہ مبتلا ہے بس ہے وہی دل آرا
مانا ہیں داغ رخ پر مانا ہو کج سر میں

کہتے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا
اب کیا بتائیں تمکو کیوں درد ہے کمر میں

کہتے ہیں وہ الٰہی غارت ہوں یہ نگوڑے
چھوڑا نہ ایک ٹکڑا ان بندروں نے گھر میں

ڈر ہے جناب احمق جوتے نہ کھائیں اکدن
چھپ چھپ کے روز قبہ جاتے ہیں اُنکے گھر میں

اسد - جناب اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو جناب احد علی قدوائی کے بھائی ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کیننگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک مشاعرہ سالانہ میں میں نے آپکو دیکھا تھا نوجوان خوش مذاق ہیں اُس زمانہ میں ظرافت کہتے تھے نہ معلوم اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں - چونکہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف کلام درج کرتا ہوں -

اُٹھا پردہ بس اب آزادیاں بڑھتی ہیں نسوانکی
یہ ہے تاثیر یورپ کے جنونِ فتنہ ساماں کی

وہ بولے لڑکے مرجا غیر سے میں نے کہا اوں ہونھ
بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی

جہاں تاریک ہے نظروں میں مشرق کی یہ حالت ہے
سیاہی ہے یہ اے مغرب تری زلف پریشاں کی

سنا ہے چاک کی ہے غیر کی تونداسنے خنجر سے
ہے غل سبزی فروشوں میں لگی تربوز میں ٹانکی

نتیجہ مونچھ نیچی کرنے کا میرے ہوا ظاہر
ادا بانکی تھی پہلے اُس کی اب ٹوپی بھی ہے بانکی

نہ پائی نوکری جب میم صاحب نے تو فرمایا
چلو مس خاک اڑائیں چلکے یورپ کے بیاباں کی

بنی جی بھیجو کا زاہد اثر مہنگی میں دکھلاؤ
چڑھو ممبر کے اڈے پر بنا کر شکل ٹیاں کی

وکٹ تھاپی لئے پھرتے ہیں میدان فضیلت میں
ترقی تیز سیڑھی ہے یہ اطفال دلبستاں کی

اسرار۔ زمانۂ حال کے ایک شاعر ہیں بائیس تئیس برس کی عمر ہے۔ فارسی کی تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے۔ نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔ میرے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی کبھی کبھی ظرافت میں کچھ شعر کہہ لیتے ہیں۔ جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اپنے تفنن طبع کے لئے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اُس کے لب سے جو رال بہتی ہے
اسکو کہتا ہوں قند کا شیرا

نہ آلو نہ گھیاں نہ شلجم نہ ٹمینڈس
مقدر میں عاشق کے لکھا ہی ڈھینڈس

وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں
فٹن ہے نہ بگھی نہ موٹر نہ پلینس

مری ہر تمنا پہ کہتے ہیں اوں ہونھ
ہیں بہتر نہیں ہوتے دم بھر کو ٹس مس

وہ اوڑھے دوپٹا ہیں باندھے ہوں صافا
جو وہ ناز نیں ہیں تو میں ہوں مقدس

اُلو ہیں نے تجھے بنایا
مجھکو گھوسٹ خطاب دیدے

ڑکنا کرتا ہے سخت نقصاں
جلدی جھٹ پٹ جواب دیدے

....
....

کیا بتاؤں میں تمہیں حال رُخِ یار کا ظلم
خون پیتا ہے مرے جسم کا کھٹمل بنکر

چپتیں کھانی پڑیں حجامت پر
سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے
نہیں ملتے ہو تم تو سوتا ہوں
سنکھیا کھالے پونے دو تولے

یہ کہتا ہے جو گر جاتا ہے کھٹمل چار پائی کا
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
جو اپنا سر جھکاتا ہے حجامت اسکی کرتے ہیں
حسینانِ جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سبب کیا ہے جو یوں لیکر چھری پیچھے پڑا میرے
میں ہوں ولاد بکرے کی نہ میں بچہ قصائی کا

مولوی محمد اسمٰعیل - آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور نثار اور ادیب تھے سررشتۂ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آجتک سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں - آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی زبانوں پر ہیں - علاوہ نثر نویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے - مرزا غالب مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم ورواج اور مقتضائے طبیعت سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے - مگر آپ کی ظرافت نہایت شستہ متین عبرت انگیز اور ناصحانہ ہوتی تھی - حالی مرحوم اور مولانائے مذکور کا ایک رنگ ہے - بلکہ بعض باتوں میں آپ حالی مرحوم سے پیش پیش ہیں - آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

اور اپنی خدمات کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا خطاب بھی حاصل کیا - آخر میں پنشن لیکر میرٹھ چلے آئے تھے مگر با وصف پیرانہ سالی کے بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا - اور آخر وقت بچوں کیلئے نہایت مفید مفید کتابیں لکھتے رہے - تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا - آپ کی تصانیف سے متعدد مفید کتابیں - اور ایک کلیات نظم یادگار ہے -

آپ نے ایک قصیدہ جریدہ عبرت کے نام سے کہا ہے جسمیں اہل زمانہ کی غفلت اور کجروی پر خوب خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے - یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض اشعار منتخب کرکے درج کرتا ہوں - حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے - جس میں نصایح کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے -

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار — یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولی الابصار
کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ — گیا جو گھر سے قضارا بجانب بازار
تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے — اور اتنی بھیڑ کہ جسکا نہیں حساب و شمار
ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گتکا — ہر اک فن پھکیتی میں طاق اور طرار
جو اس نے پانوں بچایا تو اس نے سر تاکا — دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار
عجیب ٹھاٹھ نئے پینترے غضب پھرتی — نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار
چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھکر چکر — کھڑا ہے ایک لئے سیف اڑ رہا ہے گو ہار
میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے — مٹے ہوے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار
سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں — نہ وہ زمانہ رہا نہ اب صورت پیکار
کہاں ہیں اب وہ دلیران صف شکن باقی — کہ ان فنون پہ ہوتے تھے جان و دلسے نثار
جواب دل نے دیا کہ مت تعجب کر — میں اس سے بڑھ کے بتاؤں زمانہ کے اطوار

(شاعر)

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت
کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار

سوائے عشق نہیں سوجھتا انھیں مضموں
سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار

ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ
کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشق زار

تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ
کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جسکی سو سو بار

کمال اپنا سمجھتے ہیں خودستائی کو
نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار

جو اپنے فخر پہ آئیں تو بس کریں تسخیر
حدود ہند سے لے تا بہ فارس و تاتار

ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا البرینہ
پڑا ہے نیم کا پتہ اور اسپہ پشہ سوار

وہ پشہ آپ کو سمجھا ہے ناخدائے جہاز
اور اس سڑے ہوئے پانی کو لجۂ ذخار

اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر
سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار

کیا ہے نام زٹل قافیہ کا اپنے سخن
وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں دُرِ شہوار

جو ان کے دیکھیے دیوان تو بور کے لڈو
غلیظ و گندہ سراسر نتیجۂ افکار

وہی ہے شاعر غرّا جو بے تکی ہانکے
یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار

یہ اُنکی طبع بلند اور معنی رنگیں
جو طبع گِد ہے تو معنی سڑا ہوا مردار

نہ جس سے طبع کو تفریح ہو نہ دل کو خوشی
غزل ہے یا کوئی ہذیان ہے بوقت بخار

(نمونہ غزل)

صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و غدار
ستم شعار دل آزار بے وفا مکار

ہے دلبروں کی بھی شامت نہ منہ رہا نہ کمر
بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہے پھنکار

یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول
پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگسِ بیمار

جو نُون ہاں کی محراب ہے خمِ ابرو
تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار

زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا
بھنور ہے ناف کہ جس سے نہ ہوگا بیڑا پار

شبِ فراق کا دُکھڑا اگر کریں تحریر
تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار

وہی لنڈوری ہے قمری تو پر نچی بلبل
وہی ہے سرو کا ٹھنٹ اور طول قامت یار

غریب شیخ پہ ہردم دولتیاں جھاڑیں
کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار

ہے چرخ پیر تو مدت سے شاعروں کا بیر
یہ کوستے ہیں اُسے یہ مرید نا ہنجار

جمال یوسف و اعجاز عیسیٰ و موسیٰ
ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب
یہ اُن کی نور بھری شاعری خدا کی مار

ہیں ان کی طبع دنی عنکبوت کا جالا
اور اُن کی بندش مضموں ہے مکھیوں کا شکار

وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدون
بغیر بھنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار

سدا اور وغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن
ٹپک رہا ہے لبوں پر جو شیرۂ گفتار

لکھیں جو قصہ تو دلیہ دیری کا افسانہ
لگا دیں کذب کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار

کریں چڑیل کو حوران خلد سے نسبت
بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشن بے خار

جب اتیہ ہوتے ہیں مضمون مبتذل وارد
تو گویا عرش سے اتری چمار کو بیگار

کریں جو مدح کسی چرکٹے کی وہ بالفرض
تو پھر سکندر و دارا ہیں اُنکے باج گزار

بنائیں اُسکے تئیں بر و بحر کا سلطاں
جو فی المثل ہو کوئی گور دہ کا نمبردار

ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے قالب میں
لیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار

مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے ٹینی مرغ
لہو لہان ہیں پنجے شکستہ ہیں منقار

وہ خود فروش بنے آج اُستاد زماں
کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑا نہ لے اشعار

اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیس علیل
تو پہلے قطعۂ تاریخ کر رکھیں تیار

اجڑ گئے ہیں وہ تھان اور لد گئے ڈیرے
جہاں کدا تے تھے یہ بھانڈ کاغذی ہوار

جہاں خوشامدیوں شاعروں کی تھی بھرتی
اب ایسی کاٹھ کی الو نہیں کوئی سرکار

فلسفی علما

نہ شاعروں ہی پہ تنہا پڑے ہیں یہ پتھر
کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار

وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے
گیا ہے قافلہ دور اور ٹٹولتے ہیں غبار

وہی قدیم زمانہ کا فلسفہ سڑیل
ہو جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈھئی ہوئی دیوار

چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی۔

اسلاف کا حصہ تھا اگر نام و نمود
پڑھتے پھرو اب اُن کے مزاروں پہ درود

کچھ ہاتھ میں نقد رائج الوقت بھی ہے
یا اتنی ہی پونجی پدرم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیانِ اسلام
جب بیچ مساجد سے نہیں چلتا کام

تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو
جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

بے کار نہ وقت کو گزارو یارو
یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہارو

برسات کی فصل میں ہے ورزش لازم
کچھ بھی نہ کرو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں بنا کے بھیجیں انگریز
سب کرتے ہیں دندان ہوس اپنے تیز

چڑتے ہیں مگر علوم انگریزی سے
گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے پرہیز

اشتہا۔ ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا عبداللہ تھا ان کا مولد اصفہان تھا وہیں نشو و نما پائی اور معمولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل کی۔ اشتہا کے والد کا نام حاجی فریدوں تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور اپنی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے ۱۲۸۵ھ میں مرزا عبداللہ

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بدنصیب بھی اول درجہ کے تھے۔ یعنی ہنوز بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اوٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کرلیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تاانیکہ علوم رسمیہ سے فراغت کرنے پر ایک زبردست ظریف بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہوگئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دامنگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں کہ کوئی ان کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہوکر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمۂ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور زور و شور سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کھانوں مٹھائیوں میووں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کرلیا۔ اور آخر کار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس مپرسی میں ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ خرم نے ان کی تاریخ وفات کہی۔

افسوس کہ اشتہائے با فضل و ہنر	از ملک فنا سوئے بقا کرد گزر
گفتا پئے تاریخ وفاتش خرم	اے وائے کہ اشتہا ندارم دگر

اشتہا نہایت نیکدل اور غیور تھے۔ کسی سے سوال کرنے کو نہایت بُرا جانتے تھے۔ اپنا فقر و فاقہ حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور غالباً معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اُن کے کلام میں ظرافت بہت ہے۔ مگر وہ اسی حد میں محدود ہے جسکا ہم ذکر کر چکے۔ پختگی اُن کے یہاں قدما سے کم نہیں۔ مگر قدیم زبان اور اِن کی زبان میں فرق ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا۔

مشہور گشتہ است در آفاق نام ما ۔۔۔ زیں اشتہائے بیحد و بالا کلام ما
باما کسے چگونہ زند لاف پرخوری ۔۔۔ کایں سکہ را زدند در اول بنام ما
گر روزی تمام خلائق کند جمع ۔۔۔ گردد غذائے مختصر صبح و شام ما
آن گنبد بزرگ کہ در مسجد شہ است ۔۔۔ سرپوش کوچکے است بہ قاب طعام ما
قناد راز ما برساند کسے سلام ۔۔۔ ق ۔۔۔ دانگہ زروے لطف بگوید پیام ما
چوں ذکر خیر ما ہمہ شیرینی شمات ۔۔۔ دور از مروت است بود تلخ کام ما
از فیض عام شربت تاریخ عافیت ۔۔۔ بیش از سکنجبین بجہاں شد قوام ما
از بسکہ آتشم بہ دل است از غم کباب ۔۔۔ سوز سمندری کہ کند قصد بام ما
مشکل کہ روز حشر بر آریم سر زخاک ۔۔۔ تا بوے قورمہ نرسد در مشام ما

بوے نرسد شام ز قرمہ بمشامم ۔۔۔ گر باز گزارند ہمہ دیگ جہاں را
گر پردۂ دلمہ بدرم در نظر خلق ۔۔۔ یک لحظہ کنم کشف دو صد راز نہاں را
گر یک دو سہ نانے بکف آرم بجرم ۔۔۔ صد پارہ کنم کون رنِ شمرد شاں را

دستم مزن بر دل، دگر از درد جو غم درگزر ۔۔۔ دیگر میاور در فغاں ایں طبل بے ہنگام را

پیش من گر نهند حلوا را | میخورم هر چه هست یکجا را
سرو از پا نشیند ار بیند | قامت قند سرو بالا را

.... | ....

یک شتر از خربزه کو تا که بر ہا نم کنوں | از کف ایں ساربان ای دل مہار خویش را

کو شخص گرسنہ کہ دریں موسم سرما | ہر صبح حلیمے بہ گزارد بہ بر ما
از بوے خوش قرمہ فرداں مست و خرابم | از محتسب شہر چہ اندیشہ چہ پروا
در حین و خطار فت حکایت صفا ہاں | بر قاب پلو دست کشادم چو بہ یغما
نان تنکم ہست بیار ید کبابے | کیں جامہ بود در خور آں قامت رعنا
یک بیضۂ مرغے نہ بود در ہمہ عالم | شاید کہ بجوئیم ز سر منزل عنقا
شب تا بہ سحر باشدم از فرقت انگور | از دیدہ بدامن ہمہ دم عقد ثریا

گز پختہ اگر شام خورم نوبت صبح | باد گوزم ہم اندر شکند سندانرا
اگر از نقل بہ سازند مرا زنجیرے | ہمۂ عمر بجاں می طلبم زندانرا

تنہا ز بوئے کلہ نہ از پا فتادہ ایم | کز سر بدر شدہ است بیکبار ہوش ما

تمام سال خورم حسرت شب رمضاں | از انکہ از دل و جاں مائلم زلیبا را
بہ روزگار چہ ما۔ ہر کہ بے مربی بود | نہ برد لذت شیرینیٔ مربا را
دو صد ہزار فدک میدہم شمردہ اگر | دو دانۂ ز فدک آورند خرما را

گر چند سونے سیر و پر میخورد می انجیر را
از قوت بازو بہم بشکستے زنجیر را

دم از مزعفر می زند در پیش ما نا قابلے
کز بانگ خر نشناخته زیر و بم کفگیر را

....

گہے کہ گندم شش دانہ ام بود در جیب
بعینہ در نظرم روز عید نوروز مرا است

خلق را گر ہمہ رغبت بہ پنیر میش است
بیشتر میل دلم با کرہ گا میش است

بہ ضیافت یہ برد شام گرم ہمسایہ
آشنائے است کہ بہتر نہ ہزاران خویش است

لاغر از کوفتہ گاؤ چہ گردد فربہ +
شیر در عرصہ ہیجا بہ برش چون میش است

خاک وجودم ار بشگافند تا بحشر
ہر چند جستجو شود از قورمہ آرزوست

آنکس کہ قانع است بہ بوے طعام ما
از خاندان آدم خاکی فرشتہ خوست

با حرمت است نزد قرم سید القرم
چون نزد ما کسے کہ ز آل پیمبر است

ہر کس کہ ہر شبم بہ ضیافت صدا زند
در نزد من بہ رتبہ چو سلمان بوذر است

زردک ہر انکہ سیم رخاں میخورد مدام
زرد و ضعیف و تنبل و رنجورہ لاغر است

ہر کس کہ خورد پیاز فراداں بروز و شب
او در جماع با خر مصری برابر است

روغن ندانی از چہ بردے عدس نکوست
ایں نو عروس زشت سزاوار زیور است

....

اسپ را دادم دخربوزہ گرفتم خوردم — حالیا نوبت افسار و رکاب و زین است
بر سر تربت من دیگ طعامے آرید — گوش بر نالۂ کفگیر نہ بر تلقین است

چہل صباح پیاپے خورد اگر کس توت — نمیشود بجہان پیر و عاجز و فرتوت
کفن درم ببرد زندگی ز سر گیرم — زبد اگر شنوم بوز رخنۂ تابوت
مبیں بچشم کم ایدل انار را ہرگز — کہ دانہ ایش بود بہ زحقۂ یاقوت

ہر کہ خاک در قناد کند کحل بصر — بر سر رشتۂ پشمک بہ شب تار رود
ہر کجا قصۂ خربوزہ آید بمیاں — بہتر آنست سخن از خرد خرو ار رود

نان و پیاز سیر نخوردیم ممسکاں — مارا کے ارپلو شکمے سیر میکنند

ہر کس کہ خورد کوفتہ گاد یکدو شب — چوں پیل پیکرش بہ تنش فربہی کند

استخوان قلم آنکس کہ ربود از قیمہ — شاہ بازے است کہ او فرجہاے دارد
قیمت شیر برنج ارچہ گرانست مرنج — شیر دو شیزہ صفت شیر بہاے دارد
فرقۂ را کہ بود شلغم و زردک انبار — ابلہی باشد اگر در طلب سیم و زر ند
غیر درد دل و درد کمر و بار صداع — از پیاز است مہیا دو سہ آزار دگر
ز بوستان جہان سیبے ار نصیب شود — تمام عمر بہ پیمایم این نشیب و فراز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علیگڈھ میگزین میں دیکھا گیا۔

بہت ممکن ہے کہ یہی نام کبھی ہو۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مصرع کا لگانا تو ہے حصہ شعراء کا
سیدھی ہے رہ بت کدہ احسان خدا کا

قمچی سے میاں جی کی بچی جان پر افسوس
تقدیر سے بیوی بھی ملی ہم کو لڑا کا

بیٹھا ہے چمرگد کی طرح موذی منعم
ہیضے نے دبوچا نہ وبا نے اسے تاکا

اصغر - آپ کا نام سید علی اصغر ہے۔ شاہپور ضلع فتحپور کے رہنے والے ہیں زمانہ حال کے بذلہ سنج شاعر ہیں۔ اودھ پنچ سابق میں آپ کی ایک نظم بہ عنوان رنگ میں بھنگ نظر سے گزری۔ جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف رنگ شامل ہے۔ انتخاب نظم یہ ہے۔

یہ محرم میں ہولی کا تہوار
ہنستی صورت ہے اور دل بیمار

گر پڑے تھک کے پردہ ہائے چشم
جب نہ آیا ستم شعار عیار

لگ گئی آنکھ موت آ پہونچی
ہو گئی حس مشترک بیمار

روح قالب سے سیر کو نکلی
عالم خواب کی دکھائی بہار

نظر آیا بہت بڑا میدان
عرصۂ حشر جس کا باج گزار

کوہ آتش فشاں زمیں بالکل
دھوپ سے تیز تر آتشبار

ایک بڈھا ضعیف ریشائیل
نظر آیا بصورتِ خونخوار

پیٹ میں آنت تھی نہ منھ میں دانت
جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار

ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر
سر بھی جنباں تھا صورتِ میخوار

پائے ماندن نہ جائے رفتن تھی
تھی عجب مخمصے میں جان نزار

کچھ ہراس اور کچھ بڑھی ہمت
بڑھ کے دو اک قدم ہوا دوچار

پڑھ گیا چند آیت قرآن
کرکے دم - دم میں لایا جسم زار

دل میں آیا خیال ڈر کیا ہے — تم بھی تو آدمی ہو ہمت دار
حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ — یا ہیں درویش کامل و دیندار
پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ — ہو نہ انساں یہ کوئی آدم خوار
ایک ہی لقمہ میں نگل جائے — مجھکو حلوا سمجھ کے لذّت دار
بھیجا لاحول کہہ کے بسم اللہ — دلمیں ڈھارس بندھی چلا ناچار
پہونچا اکدم میں اس فقیر کے پاس — دیکھی آنکھوں سے اسکی حالت زار
مینے پوچھا کہ کون ہو کیا ہو — اپنا مجھکو بتاؤ نام و دیار
کس کے تیر نگہ کے گھائل ہو — کس کی چشم سیہ کے ہو بیمار
بولا وہ مرد نیک خوش اسلوب — حال کیا پوچھتے ہو تم اے یار
تیغ ابرو کا میں نہیں گھائل — نہ کسی حور وش کا عاشق زار
انقلاب فلک کا مارا ہوں — دلپہ اُٹھی ہے درد کی دیوار
لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں — اُن کے افعال پر ہوں زار و نزار

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں — مٹ گیا سب طلسم کا گھر بار
وہی کنج قفس وہی فریاد — بستر غم ہے اور اصغر زار

اظلم - اس تخلص کے ایک شاعر تھے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل یا کچہری میں عرائض نویسی کرکے بسر اوقات کرتے تھے - زیادہ حالات معلوم نہیں - ظرافت کے یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں -

پیشہ لیا تھا عمر سے ہمنے چمار کا — پھر بھی نہ ٹانکنے کو ملا بوٹ یار کا
وہ کھو لکر در مسجد یہ صاف کہتے ہیں — امام آئے مگر ساتھ یہ قطارہ نہ ہو

بہت مشکل ہے کہ ہنچی شکل اوصاف نہانی کی　　یہاں پر آ کے گھس جاتی ہے دم میں عقل یانی کی

شہید ناز کی جب کر چکے سٹی ٹھکانے ہم　　پری نے بیٹھکر بیچے سروں میں نوحہ خوانی کی

افسر - آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے - آپ میرٹھ کے مفتیوں کے خاندان کے ایک معزز رکن ہیں - آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں ملتی ہیں جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا - بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے - تمام اصناف سخن پر قادر ہیں - نہایت سخن فہم - نکتہ سنج دقیقہ رس طبیعت پائی ہے - انگریزی میں بی - اے تک تحصیل علم کر کے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی - کہ یکایک طبیعت اُچاٹ ہو گئی - اور تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی - چنانچہ اسوقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک میں شایع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں - جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں - انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت دقیق ہے - آپ بہ سلسلہ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان اردو کی اشاعت و ترویج میں منہمک رہے - آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک خاص قسم کی جدت ہوتی ہے - اسکے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ ظرافت کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں - اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں - مگر آپ کو کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شایع کیا جائے میرے سخت اصرار پر یہ چند شعر مرحمت فرمائے تھے آپ میرے زبردست عنایت فرما اور ہموطن ہیں - اتفاق وقت سے آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں اور جوبلی کالج لکھنؤ میں اردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال ہے

نظر کو وسعتیں حاصل نہ ہونگی دوربینوں سے　　خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی اِن مشینوں سے

یوں سپاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے　　یعنی کی فوج کے دفتر میں کلرکی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب پردے میں ہوتے ہیں
کہ عیبوں کو چھپا لینے کے ڈھب پردے میں ہوتے ہیں

کہا یہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق و صفا
سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانے میں

یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے افسر
شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں

وہ کہتے ہیں سوادیشیوں سے تنک کر
ہمیں چاند دے دو تو ہم سوت کاتیں

اُن کی پرواز انھیں تا بہ فلک لے پہونچی
ہم بھی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے

مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے
مذہب میں قورمہ ہے سیاست میں کیک ہے

چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے
یہ پردہ وردہ کچھ نہیں سب واہیات ہے

آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت بلند اور پرشکوہ ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں - مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی -

---

افسق - میر غلام حسین نام تھا - برہان پور کے رہنے والے تھے - اگرچہ عام اور مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں - مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا " اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعراے ایں عصر است ازبسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی مینماید - اکثر مزاج او بہ طرف ہزل می آید شوخی طبعش از کلامش ہویدا است و خوبی مزاحش از تخلص پیدا است - کاش کہ ایں خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشہ آتش نہ تافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد - دریں ایام از راقم الحروف ارتباط کلی دارد و چنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت " یہ ہے وہ عبارت جو منشی لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعرا میں افسق صاحب کے لئے لکھی ہے - اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب - صاحب دیوان شاعر تھے - مگر اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ سے

لکھکر عنایت کر دیا تھا دستیاب ہو گیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اور شفیق ۱۱۹۳ھ تک بقید حیات تھے - کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں - افسق صاحب کے ایک مقطع سے اُن کے سلسلۂ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے

ہے فیض بسکہ زائیٔ عالم نواز کا   افسق کے اس سخن کا ہوا شہرہ اس سبب

دیوان میں سب اصناف سخن - رباعیات - مستزاد مخمس - واسوخت - اور ایک مثنوی گنجیفہ آفاق بھی شامل ہے - مثنوی چار کمان - مکہ مسجد - چوک میدان - دائرہ میر - چادر گھاٹ - چار محل - اور چوک حیدر آباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدر آباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں تھی فوٹو کھینچ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی آوارہ مزاجی او باشی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں - حسینان بازاری کے ذکر خیر سے دیوان مالا مال ہے - تاجو - رحمت - حبشی بیگم - جمیلہ تاج النساء - لالن - بی جان - چیندا زہرہ - گلابو - بنا جھنا کے نام جا بجا دیوان میں نظر آتے ہیں - صفحۂ کاغذ پریوں کا پرستان بنا ہوا ہے - اور یہ ذکر خیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانۂ موجودہ کے مصالح اُن کو مثالاً بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے - غزلیں فحش اور سراپا فحش ہیں کہیں دلربایانہ فن کی ہجو پر اتراتے ہیں تو پرخچے اڑا دیتے ہیں کنایے اور استعارہ کی صف سے بہت بلند ہیں کیا مجال کہ کہیں ڈھکی چھپی بات کہیں - وہ وہ کھری سنائی ہیں کہ ظرافت اور ہزالی سے گزر کر فواحشات میں جا پہونچے ہیں اور بڑے بڑے ہزال علحدہ صف نعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افسق ہزالی کے میر محفل بنے ہوے نظر آتے ہیں غرضکہ ان حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلو پیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہگیا ہے - مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے - سرنامہ دیوان پر - جب بسم الشیطان الرجیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے - بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کر کے فواحشات سے بچا کر

جناب محتسب کانپوری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کان پور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں ۔

قطرۂ آب ... کو دیکھ بولے در فروش — ہم نے کم دیکھا ہے موتی جگ میں ایسی آب کا

قطرۂ آب ... کی آب سے — چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

جب اے قمر گل تجھکو مے کے نشے نے چمن میں خرد کے خیاباں سے کھینچا

ادھر سے بہار اور آدھر سے جنوں آگے دونوں نے مجھکو گریباں سے کھینچا

حیدرآباد میں سینڈہی کا اس زمانہ میں بڑا زور شور تھا اسی کے متعلق کہتے ہیں ۔

آجکل ہے دور سینڈہی کا رکھے حق آبرو — ہے مدد گردون دوں کی مال والوں کیطرف

اس گردش فلک میں اشراف ہیں پریشاں — بھڑووں کو نت میسر شال اور دولائیاں ہیاں

بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی — اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی

حسن کی تجھ سے اے تجبہ بہار اب ڈھل گئی — مان مت کر مان لے خوبی کی ساعت ٹل گئی

کس دکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے — غربت کی ترے مکھ پہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا مکر ہے یا بھوت چڑھا تجپہ تو سچ کہہ — یکبار تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے

اٹھو یارو تماشے کو چلو ہنگام ہولی ہے — کسی کی لال ساری ہے کسی کی زرد چولی ہے

باتوں کے حق میں گرچہ طوفان ہے گلا بو — گانے کے حق میں لیکن شیطان ہے گلا بو

یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے ۔

اقبال - ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب - پی - ایچ - ڈی - بیرسٹر ایٹ - لاہور
تخلص ہے - آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہ
شاعرانہ قوت مشق - فکر صائب - تخیل - جوش وغیرہ کا ملک
ہے - اور در حقیقت اردو وفارسی نظموں میں آپ کو یدطولیٰ

اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کرکے شامل تذکرہ کرتا ہوں۔ اگرچہ آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پا سکتے مگر صرف آپکے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے۔ کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا۔ انتخاب ملاحظہ فرمایئے۔

مشرق میں اصول دین بنجاتے ہیں — مغرب میں مگر مشین بنجاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے — واں ایک کے تین تین بنجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہوگئے
وعظ میں فرمادیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہوگئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط — آغا بھی لیکے آئے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کی عوض — دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

...غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

...مغرب میں جا نکلا ہی — واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں | ووٹ تو ملجائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے | ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں | نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ | نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں | پرانے جھونپڑوں میں ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا | کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اکبر - یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی الہ آبادی مرحوم - اگرچہ آپ کے کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کر دیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کی وجہ سے کچھ لکھتا ہوں - آپ ۱۶ - نومبر ۱۸۴۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے - دیسی مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پائی - ۱۸۶۶ء میں آپ نے ادنی درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا اور نائب تحصیلدار ہو گئے - اور ترقی پا کر ۱۸۷۰ء میں ہائیکورٹ میں مسل خواں ہوئے ۱۸۷۲ء میں وکالت کی درجۂ اعلیٰ کی سند حاصل کی اور ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کر کے سشن جج کے عہدے تک پہونچ گئے ۱۸۹۸ء میں خان بہادری کا خطاب پایا - آپ کو فارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا - ابتدا عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا - اور جناب وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے - رنگ قدیم آپ کی شاعری پر غالب تھا - مگر ظرافت کے پہلو ابتدا ہی سے کلام میں نمایاں تھے - بالآخر اسی رنگ نے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا - اور باانیکہ آپ رنگ قدیم کے ایک پختہ مشق شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حصر ہوگیا - اور اگر بہ نظر غور دیکھا جاے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی غزلیات کی حیثیت سے آپکو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی وجہ سے آپ کے کمال کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں - آپ نہایت ہی نیک طینت زندہ دل منکسر المزاج مکمل انسان تھے اسی وجہ سے آپ کی ظرافت اُن ہزالوں اور فحاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا سرمایہ یا اُن کی ہرزہ سرائی اور مزخرفات ہیں یا فحاشی اور خرافات - اُن کے علی الرغم آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند و نصایح - اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی - زوال - رسوم - تاریخ - سیاست وغیرہ کا مجلیٰ اور مصفیٰ آئینہ ہے - آپ کی ظرافت سے دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے - اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیمہ حاصل کرسکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے - حق باتوں کی تلخی اور پند و نصایح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد و شکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ اور گوارا کردیا ہے کہ اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی - ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین طرز ادا اور سلیقۂ بیان - چستی بندش - نشست الفاظ - تلاش معانی - ہر جگہ حسب محل و موقع موجود ہیں - جن سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بنگئی ہے جو فصاحت و بلاغت کے آسمان میں اڑ رہی ہے - اور ایسی بلند ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھالکر دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے - آپ کے چند خود ساختہ استعارے - اور اصطلاحات ہیں جنھوں نے سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے - اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے - مبتذل نام جمن - گھورن - کلو - بدھو - نتھو وغیرہ جو استعاروں یا اصطلاحی یا اشارے کی صورتوں میں پیش کئے ہیں - اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھکر جی پھڑک جاتا ہے - مہمل مہمل ردیفیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے - حقیقت

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تخیل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی نظر والے کے وہاں جاتے ہوئے پر جلتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعوی کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکا - اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے -

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط - یا مغربی تقلید - یا سیاسی شور و غل - یا عام پند و نصایح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے - مگر وہ بھی آپ کے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں - حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق دو ہی شاعر ایسے ہیں - جنھیں ہم فخر کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لا سکتے ہیں - ایک اکبر - اور دوسرے مرزا غالب - دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کر سکتا ہوں - مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی روادار نہیں ہو سکتا -

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست   نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تنفر ہو گیا تھا - اور عیش و مسرت رنج و مصیبت کا فرق و امتیاز ان کی نظر سے اٹھ گیا تھا - اسی لئے آخری کلام میں متصوفین کی صورت پیدا ہو گئی ہے - اور آپ کی آخر عمر ۱۳۴۰ھ تک یہی رنگ آپ پر غالب رہا -

اسوقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہو چکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے - مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بیّن فرق ہو گیا ہے - جن کی تفصیل اس ظریفانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے - البتہ ان تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علیحدہ علیحدہ کرتا ہوں -

انتخاب از جلد اوّل

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لینے دے بوسہ مجھکو نہ تو تین پانچ کر
میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر
بوسہ لبوں کا لیتا ہوں میں مجھکو نے پلا
حلوا اتار رہا ہوں ذرا تیز آنچ کر

ملگیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بدلا غرض جناب کا رنگ
چلدئیے شیخ صبح سے پہلے
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

سنا ہے حلّت بادہ پہ ہو گیا فتویٰ
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
تحت بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماچ کی دھن

الا یا ایہا الطفلک بجو راحت یہ ناولہا
کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکمن تنزیمن بائے خود بیوٹ ڈاسن قبلولہا
کہ سرسید خبردار د ز راہ و رسم ونفرلہا

پردے کا کیا ہے خود اڑ نگا پیدا
خود ہمنے کیا ازار اور انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے
نیچر نے کیا ہے ہمکو ننگا پیدا

مس کو دیکھا عاشقِ زلفِ چلیپا ہو گیا — مست تھا دل پھول کر مسکی کا پیپا ہو گیا

کہا یہ فخر سے واعظ نے دیکھو سادگی میری — نہیں شوقِ نمائش کچھ پہنتا ہوں گزی گاڑھا
کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا نمود اپنی — عطا کرتا خدا مجھکو جو یہ تن توش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھیا رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا

رحیمن پکاری کہ نیدا ہا بوا — عجب جانور ہے یہ کاکاتوا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم — کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن و کچنر کی حالت پر جو کل — وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات — دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

پانی پیتا پڑا ہے پائپ کا — حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے — شاہ اڈورڈ کی دہائی ہے

پری کی زلف میں الجھا نہ ریشِ واعظ میں — دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

بکالیں پیسکر دو روٹیاں تھوڑی سی جو لاکر — ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

سکۂ زر بابوے در دہوتی دستار داشت — با وجودش نالہائے زار در اخبار داشت

گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست — گفت مارا خوف فیس و ٹیکس در ایں کار داشت

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جھرمٹ — اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی زرفت بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر — چشم بد دور اب بنے ہیں آپ بکسریٹ کے ونٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے پخ — اور شیخ کے گھر میں پنجگانے کی ہے پخ

بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے — گو اسمیں بھی صبح کو نہانے کی ہے پخ

تہمد پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر — پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر

بہتر ہے یہی کہ ننگے پھرئے اکبرؔ — شائد پڑ جائے اُن کی رغبت کی نظر

جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ — جو ہنہنایا ہے اتنا تو تھوڑی لید بھی کر

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانیکی عادت بھی — نکلتی ہیں دعائیں انکے منہ سے ٹھمریاں ہوکر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز — بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف — جو امر ہے واقعی گزارش کردوں صاف

انکار نہیں نماز روزے سے مجھے — لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام
حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیکنام
اہل دانش میں مگر افزوں ہے میرا احترام
بات بالکل صاف ہی پیچیدگی کچھ بھی نہیں
میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

من العلم قلیلاً کو بھی دیکھو بعد اوتیتم
نہ مانو گے تو اکدن بھائیو کھاؤ گے جوتی تم

آپ کی فرقت میں کل میں رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی گاتا رہا رویا نہیں

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں
بس کلام اپنا انھیں جاکے سنا آتا ہوں
وہ یہ کہتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے یہ چوکتا بھی نہیں

چاند میں آیا نظر غار حبیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

چپکوں دنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا کہ گوند ہوں میں
قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ توند ہوں میں

یورپ والے جو چاہیں دلمیں بھر دیں
جسکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بنکس میں قلاش کر دیا مجھے دو چار تھنکیس میں

عالِ دنیا سے بیخبر ہیں آپ گو تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ لگے کہنے یہ پھینک کر دھسا
ہے تمہاری نمود بس اتنی جسطرح ہو پڑی پہ پیڈ پہ لید

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں اور تیرے بیان کی دل آویزی میں
شیطان عرب سے ہند میں ہے بیخوف لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

گورمنٹ کی خیر یارو مناؤ گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنون کو اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو اللہ کے ساتھ بیوفائی نہ کرو
نیٹو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

اضافہ ہوئی مجھسے گندم پہ مے
یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

رہا کرتا ہے مرغِ فہم شاکی
نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی
چھری سے اُن کی کٹوا کر فلک نے
خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

ہوئی جب آمدِ پیری ہوا میں سر کہ پیشانی
ترشروئی کی چلتی جو رٹے ہے کھچڑی ہو جب داڑھی
سوال اب یہ عبث ہے جب ہے پتلونوں کی ارزانی
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کچہریوں میں ہے پرسش گریجویٹوں کی
سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور بیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

لذتِ نانِ جویں تجھکو مبارک اے شیخ
مجھ گنہگار کو ہے صرف تنجن کافی
حضرتِ خضر ٹکٹ مجھکو دلا دیں اکبر
رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

شیخ صاحب دیکھکر اُس مِس کو ساکت ہو گئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ
کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے
تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے

کامیابی کا شد لیشی پر ہراک در بستہ ہے
جو پیچ طوطا رام نے کھولی مگر پر بستہ ہے

زاہد ایسے بیخبر ہیں ابروے خمدار سے
جسطرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے

سینۂ مس کا ابھار ایدل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادنجان باد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھسے کہدیا
آپ بی۔اے پاس ہیں تو بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پریزاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

ہراک ریمارک آپکا عقرب کا نیش ہے
مجھکو بھی رنج غیر کا بھی سینہ ریش ہے

مجھسے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن
اس سے یہ کہدیا کہ تو گوبر گنیش ہے

کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل
بائیسکل پہ گزرینگے ہم پل صراط سے

ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
داڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

اردو کے تین ربع کے مالک ہنود ہیں
پھر کیا سبب جو اُس سے اُنھیں انحراف ہیں

یعنی اردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی
اردو کے تین جز دہی صاف صاف ہیں

شیخ سے چھوٹے اچھے انجن ہیں
اسمیں بک بک تھی اس میں بھک بھک ہے

شاہدان مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول
ٹالدیتے ہیں یہ کہکر آپ کالا لوگ ہے

چہرے کے نیچے قہر ہے داڑھی کا جھول جھال
اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے
ہنسکے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہوگئے
افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہوگئے

واسطہ کم ہوگیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک بتکدہ میں صرف ایماں کیجیے
تا کجا عشق بتان سست پیماں کیجیے

ہو یہی بہتر علیگڈھ جاکے سید سے کہیں
ہم سے چندہ لیجیے ہمکو مسلماں کیجیے

ہمارے ملک میں ہونا ہے کیا تعلیم نسواں سے
بجز اس کے کہ باوا اور بھی گھبرائیں اماں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے　　اپنے رخ سے یہ منھ نہ موڑینگے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں　　ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھکر قانون کے　　شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

راہ تو مجھکو بتادی خضر نے　　اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تھیئٹر میں ہینسگے جاکے خوب　　خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے　　میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوے　　لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے
دھمکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا　　چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

چٹھی اس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے　　دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پری اور مجھکو پیارا لکھے　　القاب میں دیکھیے ڈیر کلو ہے

اس غرض سے کہ سینہ پوش ہو　　شیخ کی ریش روز بنتی ہے

مستی نہ شراب نا فاقہ مستی لائی　　پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

پردہ در کی راے سنکر بیبیاں کہنے لگیں　　اب ہمارے وارث ایسے ہی لنگوٹے رہگئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر　　مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو برا اسنے بگاڑے سارے کام　　ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم　　اللہ کی مار اسپہ علی گڈھ کے حوالے

کھائی مژگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ　　آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے
قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس　　کیسا احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا
کمسن مسوں سے آپ کسی شب نہ چوکئے　　جیبی گھڑی ہیں یہ انھیں ہر روز کوکئے
نکالا شیخ کو مجلس سے اس نے یہ کہکر　　یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

ہمتو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو　　کس کو سونپیں تمہیں اللہ نگہبان ہے

انتخاب از کلیاتِ دوم

ہم نے کہا جو اس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم — حیرت میں آ کے بولا کیا آپ جی رہے ہیں
پریوں کے عاشقوں کو سودا ہو اسوں کا — جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام — اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

جو مس کوئے گلگوں کو پری کہتے ہیں — شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو — دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انھیں — پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ — کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے — تیغ ابرو کا تھا عاشق خان بہادر کر دیا

شاید تحقیق کے یہ مضموں سن لیں — انسان کی شکل جیسے میموں بنا
پاجامہ بھی یونہی ارتقا سے بدلا — سمٹا ابھرا غرضکہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہند کا — اب خدا ہی ہے بھائی صلو کا

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے — ہر چہ از باپ میرسد نیکوست
ہو گئی اب خیال کی اصلاح — ہر چہ از آپ میرسد نیکوست

بہ دین نیچری بستیم امید — ترقی را چہ آمادہ بر آمد

مارا فلک نشاند بہ پہلوے آں صنم — مدہوش لذتیم ندانم دگر چہ کرد
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز پانیر — کرزن چہ گفت و مل چہ شنید و ملر چہ کرد

رفت دنبال ڈارون آں شوخ — بوزنہ ماند و آدمی گم شد

ہیٹ زانہ بر سر من جائے دستار اے عزیز — مرد تا مسٹر تو اند شد چرا قبلہ شود

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا جائے — نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

ختنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم — مہر ابراہیم باقی دین ابراہیم گم

حسرتِ عشاق بازارِ جہاں میں کچھ نہ پوچھ — از مہیا زر ندارد مس کی کثرت سیم گم

وہ مناتے میں بھی بناتے ہیں — کہتے ہیں مان جاؤ منسا رام

میری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت — ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ — گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

جنگل کے جو تھے سائیس وہ ریل کے ہیں پائین — املی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن

اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے — کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

پڑے گنگناتے تھے لالہ نرنجن — نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن

چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے — کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے — اونٹ کے سولقات جانتے ہیں

ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض — کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں — بڑا خفش تھے قبل ایکے اسپا سپنسر کے ٹٹو ہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور — کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں

تہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر — کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے — لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہو

کریما بہ بخشائے بر حالِ بندہ — کہ ہستم اسیرِ کمیٹی و چندہ

عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں — دوسری پشت ہے چندہ کی طلبگاری میں

زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے — بھجن کی دھن میں تردید بتاں طناز کرتی ہے

تدبیرِ حفظِ جان بتقیہ ضرور ہے — اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی — دہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

ازانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے
اسی سے شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

گل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بنسی بھائی
ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

وہ تو گرجا پر رکا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند
شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھکر تیز ہے

دنیا آخر کو تم سے پیٹی
ہو ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی

کرتے کیا ان سے بھینٹ خالی
کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے
اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

کچھ آگرہ آباد میں سامان نہیں بہبود کے
یہاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے
مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا مانک ہے

کاش کرے مجھے وہ شاہد ہوٹل منظور
کیک تو روز ہے اک رات تیتخن بھی سہی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن
ازار بند کو کہہ دینگے حبس بیجا ہے

سدا سرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی
چلی جاتی ہے گستاخی بغندے خان کی لاٹھی کی

اب کہاں دست جنوں تار گریباں اب کہاں
پانیر اور دست مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کمسریٹ میں ٹھیکہ دودھ کا
ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

ڈنر سے تم کو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائینگے احباب فاتحا ہوگا

رشتۂ در گردنم انگستدہ بیٹ
می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

ہوا آج خارج جو میرا سوال
کہا میں نے صاحب سے با صد ملال

کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ
وہ جھنجلا کے بولے جہنم میں جاؤ

یہ سنکر بہت طبع غمگیں ہوئی
مگر اس تصور سے تسکیں ہوئی

کہ جب اہل یورپ میں بھی ذکر ہے
تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

نہیں مناسب کہ ہو یہ مہو اکبھی حریف مونز صاحب
بجا ہی فرماتے ہیں جو کچھ کہ عبد العزیز صاحب

در کار چندہ سیم و زر از جیب دور رفت
مالِ حضور بود بہ پیش حضور رفت

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں
مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشہ کو کیا کریں

فرہاد سے کہا کہ مناسب ہی تجکو صبر
کہنے لگا بتائیے تیشے کو کیا کریں

رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبن
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

زمانِ حال میں اگلے فسانے امر ماضی ہیں
جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر پہ راضی ہیں

شراب اڑتی ہے مجلس میں رواں ہی خونِ تقوے کا
مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

نام اللہ و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں
پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

یاد کرتا ہے گزشتہ با اثر لا حول کو
شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطان ان دنوں

بت سے مراسلت ہے تو عنواں سادہ چھوڑ
ناخوش کہیں نہوں وہ ہو المستعان پر

مجال کیا کوئی کہدے تو شادی مجھکو
اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

لاکھ روئے کہ رہے جاتے ہیں اللہ و رسول
دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

انتخاب کلیات سوم

اطبا کو تو ا پنی فیس لینا اور دوا دینا
خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اُسکو نہیں آتا انھیں غصا نہیں آتا

غریب اکبر نے بحث پردے کی کی بہت کچھ مگر ہوا کیا
نقاب الٹ ہی دی مس نے کہکر کہ کر ہی لیگا مرا کیا

کام اس ملک میں ہو سلف گورنمنٹ سے کیا
زہر کیا ہضم کرے کوئی پیپرمنٹ سے کیا

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنہیں اے اکبر
اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ بنو
بعد مرنے کے کھلیگا کہ یہ تھی کام کی بات

بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں
کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

بظاہر تھا براق راہ عرفاں
چو دُم برداشتم لیڈر بر آمد

کونسل میں بڑہا رہے ہیں طاقت اپنی
عاقل ہیں مکرمی بھوانی پرشاد

شیخ کہتے ہیں کہ بیرونکی پرستش بھی ہی فرض
ماسٹر کہتے ہیں اللہ کی بھی یاد نہ کر

مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج اس سے قبل
خانقاہیں رہگئی تھیں اب ہے انکا انہدام

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلہ پر
صبح کے وقت ہنس پڑی وہ میم

جب وہ بولے بچائے کو کڑوں کوں
مرغ شاخ درخت لاہو تیم

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

گو بہت اونچی ہے پرواز حریف
شیخ بھی کچھ کم نہیں ہیں جمپ میں

ان کا طوطی بولتا ہے عرش پر
انکی مرغی بولتی ہے کمپ میں

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور
ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

بسے برگڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں
ہوئے مدفون تکیہ میں اصالت اسکو کہتے ہیں

بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

چرخ نے بخشش کمیشن کہہ دیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

پاپ کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہی آگ
اب بھاگنا ضرور ہوا غور کیا کریں

کتنے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں
کافی ہے یہ شرف کہ وفاتی سے کم نہیں

اولاد مرزا ہر طرف بدنام ہیں
ینگ بدّہو وارث اسلام ہیں

مفتی شرع نہ ہوں لیڈر اسلام تو ہیں
بوسے مسجد نہ سہی کمپ کے گلفام تو ہیں

اس شرط پر ہمسے فلک سے صلح آخر ہو گئی
قبریں مہیا وہ کرے تزئین اونکی ہم کریں

کسی کو بحث نہیں آج باپ اور پُن میں — سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں

میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا — نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

مہربانی سے مجھے گودام کی کنجی تو دی — لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کروں

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان — دین ہے آنکھ اور مذہب کان

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں — مارچ میں بلبل ہوں تو جولائی میں پروانہ ہوں

ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے بانکے بُندے ہیں — ہمیں نے ان کو چمکایا ہمیں دوزخ کے کندے ہیں

یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو — کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پڑے رہو

قاصد ملا جب اُن سے وہ کھیلتے تھے پولو — خط رکھ لیا یہ کہکر اچھا سلام بولو

قاعدوں میں حسن معنی گم کرو — شعر میں کہتا ہوں ہجے تم کرو

خوب لڑوایا بہم دل کھول کر — مار ڈالا راولین نے قوم کو

سرافرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹیے اُنکی — اگر بندر کی بن آئے تو فیضِ ارتقا کہیے

جب کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھکو تم پر — ہنسکے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے

عام الزام ہے اکبر یہ کہ پیتا ہے کیوں — اسکی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

وہ دل کو تو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے — اس اونٹ کو خرِ عیسیٰ بنا کے چھوڑیں گے

کریں گے شوق سے مسلم غذا میں مے داخل — شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے

توپ کھسکی پروفیسر پہونچے — جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

کمیٹی میں چندا دیا کیجیے — ترقی کے ہجے کیا سیکھیے

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے — صرف تعویذ اور گنڈا ہے

کیا ہے باقی جناب قبلہ میں — کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے

بتاکید عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے — پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

دریا میں تو صاحب سے اگن بوٹ ہیں ہارے — میدان الکشن میں گئے ووٹ ہیں ہارے

تہذیب دم بخود ہے طمع کی گھسیٹ سے
حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی
ملا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی

نجد کے نغمے کہاں ان ٹھمریوں کے سامنے
دلیں کو جینے بھلایا یہ وہی کھماج ہے

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود ہے اکبر
شکم بولا کہ اسکی بحث کیا خادم تو حاضر ہے

حضرت اکبر سے کہد و قافلہ تیار ہے
اک رزدلیوشن کا ٹٹو آپ بھی کس لیجئے

عقل نے اچھی کہی کل لالہ مجلسرائے سے
جھک کے چلنا چاہیئے ہم سب کو اُلٹے سے

سیٹھ جی کو فکر تھی ایک اک کے دس دس کیجئے
موت آ پہونچی کہ حضرت جان واپس کیجئے

قوم ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے
کالج کے چھوکرے لپٹے ہیں ٹیڑی کی ٹانگ سے

نیٹو کی گذر ہے دال ہی پر
کالا اسطرح دال میں ہے

آمنو میں تو سب کے آگے ہیں
عملوا الصالحات مشکل ہے

اسٹیشن فنا کی ٹکٹ کیا خوب ریل ہے
اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے

کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام ہے
فطرت کے کارخانے میں غم کا گدام ہے

ہو دسمبر میں مبارک یہ اچھل کود آپ کو
خون مجھ میں بھی ہے لیکن مجھکو بھاگن چاہیئے

اک ڈنر میں کھا گیا اتنا کہ نکلی تن سے جان
خدمتِ قومی میں بارے جان نثاری ہو گئی

نجد میں بھی مغربی تعلیم جاری ہو گئی
لیلیٰ و مجنوں میں آخر فوجداری ہو گئی

یہ مصرع قافیے ہی کے لیے ہے خوب اے اکبر
جو اُجڑا لکھنؤ کچھ غم نہیں پیرس تو باقی ہے

نہ سہی لطف لحم گھی ہی سہی
شیخ صاحب مہنت جی ہی سہی

زندگی کو ضرور ہے اک شغل
غیر بالفعل لیڈری ہی سہی

ان کو بسکٹ کے لئے سوجی کی تھیلی ملگئی
کمپ میں غل مچ گیا مجنوں کو لیلیٰ مل گئی

تھے معزز شخص لیکن انکی لائف کیا کہوں
گفتنی درج گزٹ باقی ہے سب ناگفتنی

شکم سے حضرتِ انسان نجات پا نہ سکے
اب اپنے پیٹ میں ماہر ہیں پہلے ماں کے پیٹ میں تھے

موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی
جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی
اب تک میں بچا تھا آج پی لی

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں
بیبیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم متقی ہوں جو ہوں اُن کے منتظم
استاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے
مسجد سے ہم نکل گئے گیہوں کی چاہ میں

دوا سے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

منزلِ گور تک پہونچنا ہے
خواہ موٹر ہو خواہ چھکڑا ہو

مرزا غریب چپ ہیں اُنکی کتاب ردی
بدھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن
نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے

مرغی نے کہا خوب کسی کمپ میں لٹ کے
انڈا وہی اچھا ہے کہ بچہ جسے کھٹکے

کیوں اپنے سر یہ زحمت بلیسو دیجیے
کونسل کے بدلے گھر ہی میں اچھل کود لیجیے

ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب
بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی کچھ ہے

قیمت کو تیرے بڑھکر دیتے ہیں ٹھرے کے دام
بے حسی کا میکدہ ہی غفلتوں کا دور ہے

بھرتے ہیں میری آہ کو فونو گراف میں
کہتے ہیں فیس لیجیے اور آہ کیجیے

شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسہ جو کل
ہمنے برکت کیلئے اس مس کا سایہ چھو لیا

قوم پر ممبری کا فیر ہوا
کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا

شیخ جی مر گئے کمیٹی میں
غل مچا خاتمہ بخیر ہوا

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو ابھارا
اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

پتلون میں وہ تن گیا یہ سایہ میں پھیلی
پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اتارا

بہرادہ بنا کمپ میں یہ بنگئیں آیا
بی بی نہ رہیں جب تو میاں بن بھی سدھارا

دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرع
آفسانہ سے بدتر ہے سرانجام ہمارا

پیپ ممبری جو ابلے سمجھ اسکو خون اچھا
یہ بجا ہے قول شاعر گزٹڈ جنون اچھا

کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز
جغرافیہ میں عرش کا نقشا نہیں ملا

فرقت نے کہا کہ جا گئے آپ
کھٹمل نے کہا کہ بھا گئے آپ

ہم ڈنر خواہی وہم آردغ صاف
ایں خیال است و محال است و گزاف

کیا پوچھتے ہو اکبر شوریدہ سر کا حال
خفیہ پولیس سے پوچھ رہا ہے کمر کا حال

خدا کی راہ میں اب ریل چل گئی اکبر
جو جان دینا ہو انجن سے کٹ مرو اکدن

وصل کا اُس بت خود بیں سے کوئی ہنٹ کہاں
حرف بوسہ میں بھلا سلف گورنمنٹ کہاں

رسماً تو ایک بوسہ ہے کافی دم وداع
لیکن مزا جو آئے تو دو تین کیوں نہ دیں

ممبر علی مراد ہیں یا سکھ ندان ہیں
لیکن معائنہ کو وہی نابدان ہیں

ہجر کی شب یونہیں کاٹو بھائیو
اُن کا فوٹو لیکے چاٹو بھائیو

جو چاہتے ہیں کٹے عمر اعتدال کے ساتھ
بٹھا رہے ہیں وہ بسکٹ کا جوڑ دال کے ساتھ

شیطان نے ترکیب تنزل یہ نکالی
ان لوگوں کو تم شوق ترقی کا دلا دو

کافی ہیں امیروں کو قوانین گورنمنٹ
مذہب کی ضرورت تو غریبوں کے لئے ہی

دل میں اب نور خدا کے دن گئے
ہڈیوں میں فاسفورس دیکھئے

دلیری سکھاتی ہیں ہمکو یہ کہکر
جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے

نظر میں تیرگی ہے اور رگوں میں ناتوانی ہے
ضرورت کیا ہے پردے کی جہاں بیبی کا پانی ہے

بڑھا دیا ہر اک کو مغرب نے پاس کر کے
سید بھی کورے کھسکے برسوں مساس کر کے

برگڈ کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے
مغرب کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

فکر ساری کی ہے نہ کنگن کی
اب تو دھن ہے انجین فرنگن کی

یہ دال لب گنگ کبھی گل نہیں سکتی
کلو کے پٹاخے سے بلا ٹل نہیں سکتی

پیٹ مصروف ہے کلرکی میں	دل ہے ایران اور ٹرکی میں

———

ہو گیا ہے الہلال آماجگاہ تیر غرب	اس نئے دور فلک کی چاند ماری دیکھئے

———

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو	جب توپ مقابل ہو تو تلوار نکالو

———

ضبطی پرچۂ توحید ہوئی خیر یہ ہے	قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے

———

صاف کہتا ہوں رہیں خوش یا ہوں ناخوش مولوی	آسماں اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی

———

حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر	اتنی کثرت ہو چوہوں کی تو بلی کیا کرے

شیخ جی کے دو تو بیٹے باہنر پیدا ہوئے	ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

———

ڈائری میں ہو گیا تھا اختلاف اندراج	لڑ گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبین

———

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب	فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

———

نہ کٹ لٹ ہے نہ یاں کانٹا چھری ہے	مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بری ہے

———

دہن دلہن کی تھی جس میں گاتا تھا اک ناتی	بسکٹ سے ہو ملائم پوری ہو چپاتی

———

شانِ نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے	مسجد الگ بنائیں اپنی میاں بقاتی

———

بابو ہمیں نگل گئے اس عہد میں تو خیر	رہنا پڑا ہے بنیوں کو مچھلی کے پیٹ میں

———

حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا	کہ وہ جامہ سے باہر ہے یہ پاجامہ سے باہر ہے

———

لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض	کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

———

تعلیم اسکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو	مذہب اسی کا بہتر جس کو پولس نہ پکڑے

———

طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے	جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

———

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن	دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

———

سایہ مدت ہوا غبارہ بنا	پائنچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا

———

مغربی تعلیم ہو اور ہوم رول بات ہو	لطف موسم سے یہی مینڈک ہو اور برسات ہو

———

حرج کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا	شکر کر روٹی تو گیہوں کی رہی

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور کچھ مت ہے

وہاں سینے میں قرآں تھا یہاں سینے میں لیکچر ہے

الانسان ضاحک صرف یہ تخلص معلوم ہے یا یہ کہ ایک وقت میں یہ مرحوم اودھ پنچ کے نامہ نگار تھے - باقی حالات وغیرہ بالکل معلوم نہیں - صرف تھوڑا سا کلام ملا ہے جو نقل کیا جاتا ہے ۱۹۱۰ء میں جب کسی یوروپین حاکم اعلیٰ نے ہندوستانیوں پر جھوٹ کا الزام لگایا - جس سے متاثر ہو کر اکبر مرحوم نے یہ رباعی کہی تھی :-

بیڈ عجب ہے جھوٹ سچ کی چھڑی بحث ہند میں
سچ کہتے ہیں جو جھوٹ ہوں کہتے تو روسیاہ

کیسے ہی ہم ہوں آپ تو ہیں ہم پہ حکمراں
جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اسی زمانہ میں جناب الانسان ضاحک نے یہ نظم کہی -

جھوٹا ہمیں بتاتے ہیں سالانہ بزم میں
کیونکر کہیں کہ جھوٹ کا الزام جھوٹ ہے

وہ صبح کو بتائیں اگر شام راست ہے
اور ہم بتائیں شام کو گر شام جھوٹ ہے

وہ کہہ رہے ہیں ہند میں تکلیف کچھ نہیں
ہم کہہ رہے ہیں ہند میں آرام جھوٹ ہے

آئی تھی سوتے سوتے نظر شکل ہند کی
پوچھا جو میں نے نام کہا نام جھوٹ ہے

انعام پاتے ہیں جو ہمارے گریجویٹ
انعام اسے نہ سمجھو سب انعام جھوٹ ہے

مفلس ہوں گرچہ صدمۂ آلام میرا سیر
افلاس جھوٹ صدمۂ آلام جھوٹ ہے

تصویر میں ہے ان کے اگر آم رس بھرا
یاں شاخ میں لگا بھی ہو گر آم جھوٹ ہے

....

بندہ خدا وہاں ہے یہاں بندۂ خدا
دین مسیح راست ہے اسلام جھوٹ ہے

ناول ڈرامے سچ ہیں کہ یورپ میں ہیں چھپے
مطبوع ہند قصۂ گلفام جھوٹ ہے

کہتے ہیں وہ جو آئی کو اسٹار عین صدق
کہتے ہیں ہم جو آنکھ کو بادام جھوٹ ہے

....

گردش کا اپنی گردشِ ایام ہے سبب
گو وہ کہیں کہ گردشِ ایام جھوٹ ہے
ادبار جبکہ آگیا سب عیب آ گئے
آغاز جھوٹ نیز سرانجام جھوٹ ہے

اسی طرح جس وقت فصیح الملک نواب مرزا داغ کا انتقال ہوا تو الانسان ضاحک صاحب کی منچلی شوخ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ قطعہ ارشاد فرمایا۔

یادش بخیر آکے اجل نے مٹا دیا
گویا کہ داغ صفحۂ ہستی پہ داغ تھے
تھے باعثِ نشاط کبھی مورثِ صداع
بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر میں زاغ تھے
گھبراتے تھے ولایتی جیکر کی سیر سے
مخمورِ حسن کیفیتِ جام بارغ تھے
مجلس میں ان کی پورٹ نہ وہسکی نہ بیئر
سیندھی کے موتیا کی فقط کچھ ایاغ تھے
شائستہ لیڈیوں کا نہ مطلق تھا ان کو شال
ہاں تھے تو لولیوں کے پتے تھے سراغ تھے
باتوں میں چوچلے تھے طبیعت میں شوخیاں
روشن خیال تھے نہ وہ عالی دماغ تھے
کس نے کہا کہ تھے وہ نئی روشنی کے لیمپ
وہ تو الہ دین کے طلسمی چراغ تھے

المست۔ غالباً ایک فرضی تخلص ہے۔ تھیٹر کے رنگ کی ایک نظم جس میں موجودہ زمانہ کے بعض جنٹلمینوں اور لیڈروں کو ظرافت کی شیرینی سے شربت بنا کر نصیحت کا زہر پلایا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک
تم شہر کے لیڈر مالک
تم اعلیٰ افسر مالک
تم مولوی مسٹر مالک
تم خان بہادر مالک
تم ہشو ہشندر مالک
تم پورے بندر مالک
تم تیز مچھندر مالک
تم لال قلندر مالک

تم خان بہادر مالک

تم وڈ کے بنگلے جاؤ — تم ڈ تر ٹفن سب کھاؤ
تم کلب میں ناچو گاؤ — تم شیخی سے اتراؤ

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دیکھو — تم سیرت اپنی دیکھو
تم شہرت اپنی دیکھو — تم نخوت اپنی دیکھو

تم خان بہادر مالک

تم سید زادے کیسے — ہو شاید ایسے ویسے
صاحب کے عطیلے کے بھینسے — ہو مدہوش شاہی پیسے

تم خان بہادر مالک

اب خان بنے مرزائی — ہیں جیسے خلیفہ نائی
کیا اچھی ناک کٹائی — کچھ بھی شرم اور لاج نہ آئی

تم خان بہادر مالک

تم شان مشیخت والے — تم کبر و رعونت والے
پھٹکار اور لعنت والے — صہبائے جنوں کے متوالے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا — تم مارو سب کو ڈنڈا
تم گارڈ پٹھانی جھنڈا — تم پاتو انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا ٹم ٹم رکھو — تم گوری میڈم رکھو
تم نیزہ بلم رکھو — تم نوکر یوم رکھو

تم خان بہادر مالک

المست شرابی آیا | تم بھاگو ڈنڈا لایا
تم ہپ ہپ ہرّا گایا | یہ نغمہ خوب سمایا

تم خان بہادر مالک

امید - تخلص ہے میرے دوست ابوالکمال سید محمد علی صاحب کا - جنکا اصلی دولت خانہ امیٹھی ضلع سلطان پور تھا - مگر ایک عرصہ سے لکھنؤ محلہ حسین گنج میں قیام ہے - آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم الثبوت استاد کامل ہیں - آپکے علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے - آپکو سلسلہ ظرفا میں شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے - مگر چونکہ اودھ پنچ سابق کے آپ ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار تھے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شایع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پنچ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا - اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی خدمات انجام دیں - اس لئے تذکرہ نویسی کا گناہ ہوگا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں - آپکا سن شریف کم از کم اسوقت پچپن سال کا ہوگا - مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر ہیں - وضعدار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف یہاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے - مجھ سے دس بارہ برس سے ملاقات ہے مگر آپ کی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں - اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ ہے مگر سر دست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے -

ایک نظم معروف بہ خیالات عمیق جنوری ۱۹۰۵ء میں آپ نے لکھی تھی جس کا ہر شعر ظرافت کی نہر کا ایک موج رواں معلوم ہوتا ہے یہ آپ نے بطریق تحفۂ سال نو اودھ پنچ کو پیش کی تھی۔

مشفق من کیجیے کیا عرض حال — شامت اعمال کا سنیے مآل

زن مریدی کا برا ہو کیا کہوں — جان سے جورو کے ہاتھوں تنگ ہوں

زندگی اپنی ہوئی مجھکو وبال — ہے کسی کا شعر میرے حسب حال

حکم جورو جی بہ از حکم خداست — انچہ جورو جی بفرماید رواست

سنت شارع سمجھ کے بے صلاح — اک عفیفہ سے کیا میں نے نکاح

وہ نکاح سنت خیر الوریٰ — میرے حق میں طوق ذلت ہوگیا

حال من از دست بانو ابتر ست — درگلویم سنت پیغمبر است

بے اجازت جورو صاحب کے کہیں — میں کہیں آتا نہیں جاتا نہیں

کیا کہوں شامت جو آئی ایکبار — خودسری سر پہ ہوئی میرے سوار

جلدی جلدی نوش کرکے میں ٹفن — کوٹ اور پتلون کرکے زیب تن

رکھکے ٹرکش کیپ سر پر اک نئی — فیشن ایبل ہاتھ میں لیکر چھڑی

جورو صاحب سے نہ کچھ پوچھا گچھا — گھر میں سے سیٹی بجاتا چل دیا

کی مٹرگشتی بہت بے فائدہ — جیسے جنٹلمینوں کا ہے قاعدہ

صبح سے القصہ لیکر تا مسا — در بدر کی خاک میں چھانا کیا

اب خیال آیا کہ کیا کیجیے علاج — میم صاحب ہیں نہایت بدمزاج

وہ جو پوچھیں گی کہ تھے ابتک کہاں — کیا کروں گا سامنے ان کے بیاں

کچھ جو آئیں بائیں شائیں بکدیا — عذر بدتر از گنہ ہو جاسے گا

میں جو کچھ بگڑا تو شامت آئیگی — وہ جو بگڑینگی قیامت آے گی

سوچتا تھا یا الٰہی کیا کروں
جان تھی نیمے دروں نیمے بروں

دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا
اک مجسّم دیو آتا ہے چلا

کچھ عجب اک ڈھو کا ڈھو تھا وہ بشر
ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھکر

جب مرے نزدیک بالکل آگیا
میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا

دل تم آیا ہو کہاں سے کون ہے
پوچھ کیا لادا ہے جس سے ڈون ہے

وہ لگا کہنے یکین اے خواجہ گوش
من ز کابل ہستم انگوزہ فروش

سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا
اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا

عذر معقول آگیا ہے خوب ہاتھ
ان کو لے چلیئے مکاں پر اپنے ساتھ

لیکے ہمرہ ان کو قصہ مختصر
ہو گئے خوش خوش تا در نکبت اثر

چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا
سامنا چوہے کو بلی کا ہوا

گو ذرا میں بگڑے تیور دیکھکر
دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر

بیوی صاحب یہ نہ سمجھو ڈینگ ہو
دال کی لذت جو ہے وہ ہینگ ہے

دل جو دال ماش کو چاہا مرا
جستجو میں ہینگ کی دن بھر پھرا

اتفاقاً ایک آغا کابلی
ملگئے آتے ہوے مجھکو ابھی

ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا ہوں میں
اُن کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں

کہکے اتنا گھر میں با خوف و ہراس
الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس

چونکہ ہے سودا ترقی کا مجھے
ہینگ دینا اُن سے تھی لینا مجھے

بیٹھکر کہنے لگا میں انسے یوں
بیچتے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں

ہینگ کیا اور ہینگ کا بکنا ہی کیا
بڑی کیا اور بڑی کا کیا شوربا

رہ کے دنیا میں ترقی سیکھئے
حرفت و صنعت میں حصہ لیجئے

چھانتے پھرتے ہو کیوں گلیوں کی خاک
کیوں ہوے جاتے ہو آفت میں ہلاک

کرکے ہمت کسب کوئی سیکھ لو نفع ہمتے تاکہ اوروں کو بھی ہو
آجکل جاپان ہے حرفت کی کان جسنے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان
سیکھئے جاکر وہاں کوئی ہنر زندگی بھر چین سے کیجئے بسر
سنکے یہ باتیں وہ کاہل کا گدھا یک بیک جھنجھلا کے یوں کہنے لگا
کے خری انگوزہ را دہینگ را خرچہ داند شاخ را وُ سینگ را
ہینگ باشد دافع درد شکم ہینگ باشد نافع ہضم اتم
ہینگ باشد جملہ علت را دوا ہینگ باشد نوش ونیش جانفزا
ہینگ خواہد ہر کہ او بینا بود قدر دانش بو علی سینا بود
ماش را روح روانے چیست ہینگ قالبش را تازہ جانے چیست ہینگ
بگزرا تہ جاپان و از جاپانیاں قید صد ایجاد و از زندانیاں
جاہل اندازہ دال ماش وانگرہ مے ندانند ایں غذاے خوش مزہ

غزل

آجکل ہے کچھ سینچر پاؤں میں مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں
سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں
رشتۂ تہذیب کو تو آج کل باندھے پھرتے ہیں مچھندر پاؤں میں
بدگمانی تو ہے جب باندھے پھریں جورووں کو اپنے شوہر پاؤں میں
عشق میں اک آسماں رفتار کے آگیا ہے سر کا چکر پاؤں میں
ہجر میں ان کے ستم یہ اور ہے کاٹتے ہیں شب کو پتھر پاؤں میں

بابو صاحب وطن کا پاس اچھا ہے بھات اچھا ہے ماشلی کا ماس اچھا ہے

مطلب تہ زین سے نہ لٹھے سے غرض ‏ ‏ گاڑھا دہوتر ہی لباس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ سمجھاے گئے ‏ ‏ آپ ایسے گئو کہ اپنی ہی گاے گئے
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ راے ‏ ‏ جب مانڈلے لالہ لاجپت راے گئے

واعظ پیر مغاں تو کنجوس نہیں ‏ ‏ لیکن تجھسا بھی کوہ منحوس نہیں
لٹیا ہی ڈبوئی بنکے میکش دیکھا ‏ ‏ بادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر قضا پر تھا گزر ‏ ‏ تذکرہ کچھ مختصر ہمکو وہاں کے یاد ہیں
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستانِ بیخزاں ‏ ‏ قید غم سے جس جگہ سرو چمن آزاد ہیں
ناگہاں وہ شوخ آکر مجھسے یہ کہنے لگا ‏ ‏ آپ کسکو پوچھتے ہیں کسلیے ناشاد ہیں
انتظام مملکت کہتے ہیں مجھکو خاص و عام ‏ ‏ پوچھیے ان سے کہ یہ لالہ بڑے استاد ہیں
پھر بقول مومن اس کافر نے لالہ سے کہا ‏ ‏ آپ کہتے پھرتے ہیں ہم مورد بیداد ہیں
اور سوا اسکے سنی ہے آپکی اسپیچ بھی ‏ ‏ ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں جلاد ہیں
جی میں آتا ہے کہ اکدن ذبح کرڈالوں تجھے ‏ ‏ کیوں قضا آئی ہے تیری کیونکہ ہم جلاد ہیں

کل مجھسے بکڈپو کے منیجر نے یوں کہا ‏ ‏ کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہیے
دلچسپ ناولوں کی ضرورت ہی ملک کو ‏ ‏ کشاف چاہیے نہ اشارات چاہیے
اک جج حضور خان بہادر کا ہی یہ قول ‏ ‏ صاحب کے اردلی سے ملاقات چاہیے
غالب کی پوچھیے تو مقولہ ہے انکا یہ ‏ ‏ اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
مجھسے جو پوچھیے مے و معشوق کے سوا ‏ ‏ امید سب سے ترک ملاقات چاہیے

موجود تھی - جیسے ہی یہ لکھنؤ پہونچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں اُن کو جگہ مل گئی - مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے - انھوں نے کچھ انشا کے علم و فضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی - کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا - غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ اُن کے شاگرد ہو گئے - انشا کو تمامتر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو پُنچھ گئے - چند روز انھیں کے یہاں رہتے سہتے رہے مگر آخرالامر علامہ تفضل حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علیخاں کے دربار میں پہونچے - اور اسقدر مقرب بارگاہ ہوے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا - انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگیں کر دیا تھا - مگر فطرتا نواب نہایت ہی سادہ مزاج - خاموش - متین - اور سنجیدہ تھے اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جدا نہ ہوتے تھے - ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطایف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی - یہ انشا کی تصنیف تھی اور اسمیں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتبخانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی - مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی - وہ فی الاصل متین تھے اور انشا فطرت سے زیادہ ہنسوڑ شوخ مزاج - رند لاابالی چنانچہ اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ نوبت پہونچی کہ نواب کو کچھ برہمی پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو سنہ ۱۲۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا - نواب نے اسکے بعد اُن کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو - اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی - ایک آفت یہ آئی کہ تعال اللہ خاں جوان بیٹا مر گیا - اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و نزار حالت ہو گئی -

انشا۔ سید انشار اللہ خاں نام تھا۔ حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے دلی کے رہنے والے تھے۔ مگر جائے ولادت مرشد آباد تھی۔ ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے۔ انشا جب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی۔ اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی۔

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آ گئی مشق شعر و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا۔ انشا کی شاعری کا سرسبز پودا مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان امڈا ہوا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلی آنا پڑا۔ مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشانہ تھا نہ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا نہ وہ اقتدار تھا دلی کا بڈھا تاجدار شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنا ہوا تھا۔ بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں۔ یہی سبب تھا کہ ہر ذی کمال اہل ہنر کی پہلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو۔ اسی بنا پر انشار کو بھی داخلہ کا شوق چرایا۔ چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ دربار نام کا دربار ہے باقی اللہ کا نام ہے۔ پھر بھی ننگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا ؎ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز کی مشہور ضرب المثل پر عمل کر کے چار و ناچار چند روز نباہی۔ اور اپنی خوش بیانیوں اور خوش مذاقیوں۔ گل افشانیوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گل و گلزار بنائے رکھا مگر کب تک آخر گھبرا گئے جی اکتا گیا۔ اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا۔ لکھنؤ اسوقت آج کا لکھنؤ نہ تھا۔ گوشہ گوشہ قدر دانوں سے آباد تھا۔ ذرہ ذرہ میں فیض رسانی مہمان نوازی کی صلاحیت

آزاد نے اسی واقعہ کو اپنی رنگین بیانی سے آبحیات میں اتنا چمکایا ہے کہ پڑھنے والے کی آنسو نکل آتے ہیں۔ لکھا ہے کہ مجنون ہوے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے۔ مگر دراصل یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لئے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور سرا میں اترا۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی مشاعرہ ہوتا ہے۔ کھانا کھاکر میں بھی جلسہ میں پہونچا ابھی دو تین سو آدمی آے تھے لوگ بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ حقے پی رہے تھے۔ میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پر ایک میلا سا پھینٹا۔ گھٹنا پاؤں میں۔ پیکوں کا توبڑا ڈالے ایک کلڑ کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا۔ کسی کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی کی۔ اسنے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالکر تنبا کو نکالا اور اپنی حلم پر سلفہ جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دینا۔ اسیوقت آوازیں بلند ہوئیں۔ اور گڑگڑی شٹک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بے دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں۔ سب نے اسکی بات مانی۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں۔ سب صاحب آجائیں تو شروع ہو۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کہکر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا۔ اور غزل پڑھنی شروع کر دی "غزل یہ تھی" کمر باندھے ہوے چلنے کو یہاں اب یار بیٹھے ہیں۔

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ غزل انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو اُن کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں۔ جو اس زمانہ میں لکھا گیا ہے جسوقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے۔ مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آچکے ہیں۔ اور مرزا عظیم وغیرہ شعراے دہلی سے معرکے درپیش تھے

خود میں نے ایک غیر مطبوعہ نسخۂ انیس الاحبا، مصنفہ موہن لال انیس میں دیکھا ہی
کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور جنون وغیرہ کا اس میں
کہیں ذکر نہیں۔ یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا اُن کی وفات کے دو چار برس بعد
مصنف تذکرہ اُن کے دوستوں میں تھے۔ افسوس کہ اسوقت وہ تذکرہ میرے پاس
نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا۔ بہرصورت اسمیں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ
تکالیف میں گزرا۔ اور انھیں صعوبتوں میں ۱۲۳۳ھ میں وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوگئے
انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جنمیں سے دریائے لطافت سب سے زیادہ مشہور و
معروف ہے۔ دیوان بھی کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں۔ کئی سے میری یہ مراد
ہے کہ ایک فارسی۔ ایک بے نقط۔ ایک اُردو کا دیوان ہے۔ مثنویاں قصیدے رباعیاں
بہت سی ہیں۔ ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے۔ البتہ
ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقتاً نہایت ظریف۔ ہشاش بشاش واقع ہوئے
تھے۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر۔ یا نوابی دربار کی مصاحبت کیوجہ
سے اُنھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ
درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے۔ اب بھی دیوان کو دیکھئے
تو ضرورت اور بے ضرورت۔ جا اور بیجا سب جگہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے تذکرہ
گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کٹار کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے خلاف ہے تو صرف
اسی لئے ہے کہ شیفتہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا۔ کہ بجز ظرافت ہیچ صنف را بطریقہ راسخ شعرانہ گفتہ۔
حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کہتے تب بھی
اُن کا علم و فضل اتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے۔
ان کی ظرافت کے اقسام گنانا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے۔ جو شخص بات
بات میں ظرافت کے دریا بہائے۔ کوئی کہاں تک اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔ پھر بھی ریختی کو

اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے - بعد ازاں باڑ واڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے
بہر صورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں -
مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں - اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم
ہو جائے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے ازراہ تکلف وتصنع نہ تھا بلکہ ان کی فطرت یہی تھی - ان کا
وجود اُن کی ہستی محض ہنسنے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئی تھی - لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں
کوئی شعر کہتے ہیں - یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اسمیں کسر باقی نہیں رکھتے - کیا
مجال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھنے کی بھی گنجائش نکل آئے کوئی غلطی سرزد ہو
معاذ اللہ - بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے - اور یہی رنگ
عمر بھر رہا ہے - وہ انتہا کے شوخ حاضر جواب تھے - چنانچہ چند لطیفے درج کرتا ہوں -

ایکدن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے - اور گرمی کیوجہ سے صافا - یا پگڑی
علیحدہ رکھدی سر گھٹا ہوا تھا نواب کے دل میں جو ترنگ اٹھی - ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک
ٹیپ دی - آپ نے جلدی ٹوپی سر پر رکھکر کہا - بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری
بات ہے - نواب نے کہا کیا - انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا ننگے سر کھانا کھانے سے
شیطان دھولیں لگاتا ہے -

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ بھئی سب خوشخط لکھو اور جو کوئی غلطی
کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جائے گا - اتفاق کی بات ایک بڑے قابل مولوی
صاحب نے فرد حساب میں اجناس کا سین بھولکر اجنا لکھدیا - نواب صاحب نے کہیں
دیکھ لیا - مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کئے اور تاویلوں کے انبار لگا دئے
نواب نے انشا کو اشارہ کر دیا - انشا نے یہ رباعیاں نظم کر کے پڑھیں - اور غریب
مولوی کو دیوانہ کر دیا -

اجناس کی فرد پر یہ اجنا کیسا	یہاں اہل لغات کا گرجنا کیسا

گو ہوں اجنا کے معنے جو چیز آئی گی | لیکن یہ نئی اپچ اپچنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے سجنا لکھئے | اور لفظ خرد خبا کو خبجنا لکھئے
گر ہمکو اجی نہ لکھئے ہووے لکھنا | تو کر کے رخم اس کو اخبا لکھئے

اجناس کے بدلے لکھئے اجنا کیا خوب | قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
از روے لغت نئی اپچ لے لی ہے | اس تان کے پیچ کا اپجنا کیا خوب

اجناس کے موقعہ پہ اجبا آیا | سلماے علوم کا یہ سجنا آیا
اجبا چیزے ست کال بر دید زہیں | یہ تخم لغت کا لو اپجتا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آے - پہرہ لگوادیا تھا مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا - آخر عورتوں کا لباس بدل ناک پر انگلی رکھ نواب کے سامنے جا کھڑے ہوے - نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آے - اب یہ پہونچے ذرا تیوری پر بل آے - انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا -

میں تو کہتی تھی نہ رکھ او مرے پیارے روزہ | بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جا رہے تھے ایک حویلی نظر آئی جسپر یہ تاریخ لکھی تھی ع

حویلی علی نقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشا دیکھو کیا تاریخ کہی ہے ذرا اسے رباعی تو کر دو تو انھوں نے فی البدیہہ کہا -

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی | نہ سم کی نہ تال کی نہ سر کی

یہ تاریخ کہی ہے کس لڑکی | حویلی علی نقی خاں بہادر کی

فائق جوان کے معاصر تھے انھوں نے انشا کی ہجو کہی انشا نے صلہ میں پانچ روپیہ دیئے اور کہا۔

فائق بے حیا چو ہجوم گفت | دل من سوخت سوختہ بہ
صلہ اش پنج روپیہ دادم | دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

انھیں فائق نے جنکا بیان ہو چکا ایک مرتبہ ید کو بہ تشدید لکھا۔ انشا کو ایک سامان تمسخر مل گیا ایک قطعہ لکھ مارا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرّا | کہ چوں ذہن او ذہن رسا نباشد
یکے شعر نادر کہ در چند وزن | شود خواندہ و شک بمعنے نباشد
دراں لفظ ید را بہ دال مشدد | نوشت است و ایں غلط اصلا نباشد
شنید ایں سخن را چو گرد سخن | ز انشا کہ ہمسرش اصلا نباشد
بگفتا کہ من شاعر خوش فکرم | چو من ہیچ مغل گویا نباشد
تو گلستاں راندانی درست | ترا ہیچ شعور و ذکا نباشد
سند یاد از استاد است مارا | بہ کلام ما ہیچ خطا نباشد
چو تشدید در شعر ضرورت افتد | تشدید صحیح چرا نباشد

گیان چند ساہوکار کی مارواڑی میں ایسی ہجو لکھی ہے کہ تلوار تیغ تیز معلوم ہوتی ہے۔ جس سے اسکی عزت تک کا خون بہا دیا گیا ہے۔ بھڑوں کھٹملوں وغیرہ کی ہجووں میں پوری پوری مثنویاں نظم کر دیں۔ مصحفی سے الجھے تو ایسے ہی الجھے وہ وہ ادھیاں کھیں کہ توبہ ہی توبہ ہے جیسے شیخ مصحفی کے ذکر میں لکھیں گے انشا کے لئے کوئی ہی ضرور نہ تھا کہ وہ جب ہزل۔ یا ظرافت یا ہجو کا ارادہ کرتے تبھی ایسے شعر لکھتے نہیں غزل کہتے اسوقت بھی یہی عالم تھا۔ قصیدہ لکھتے تو بھی یہی رنگ غالب رہتا دو چار شعر

اس قسم کے سنئے اس کے بعد ریختی کا رنگ دیکھیے۔

لیا گر عقل نے منھ میں دل بیتاب کا گٹکا
تو جوگی جی دھرا رہ جائے گا سیماب کا گٹکا

صنم خانہ میں جب دیکھا بت ونا تو سکا جوڑا
لگا ٹھاکر کے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا

ملے پارے سے جو ہرتال کر کے راکھ کا جوڑا
تو تانبے سر جی اگلیں کوئی نوے لاکھ کا جوڑا

نہیں کچھ بھید سے خالی یہ تلسی داس جی صاحب
لگا یا ہے جو اک بھو تر سے میتے آکھ کا جوڑا

لپٹ کر کشن جی سے رادھا یہ ہنسکر لگیں کہنے
ملا ہے چاند سے اے لو اندھیرے ماگھ کا جوڑا

یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانہ کا
نہیں شعر و سخن میں کوئی اسکی ساکھ کا جوڑا

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کنڈ پر
اوتار بن کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

دل ستم زدہ بیتابیوں نے لوٹ لیا
ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا
تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

یوں چلی مژگاں سے اشک خونفشاں کی میدنی
جیسے بہرائچ چلے بالے میاں کی میدنی

رات وہ بولے مجھ سے ہنسکر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں
میں ہوں ہنسوڑا اور تو ہی مقطع میرا تیرا میل نہیں

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے
یہ تو بیچاری آپ ننگی ہے

ڈر و دہشت کی وہوم و ہام سے تم
وہ تو ایک دیونی دبنگی ہے

جوگی صاحب آپ کی بھی واہ
دہرم مورت عجیب گڈھنگی ہے

چشم بد دور شیخ جی صاحب | کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجیے کہ کیا آج کام میں نے کیا | جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا | جب دھم سے آ کہونگا صاحب سلام میرا

ہیں اردز حسن سے وہ نہایت گھمنڈ پر | نام خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ڈنڈ پر

تعویذ لال ہی کے نہ پھرئے گھمنڈ پر | اک نیلا ڈورا باندھیے اس گورے ڈنڈ پر

یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے | بیٹے بچے کبھیں رہے آفت ا رنڈ پر

دو تین دن تو ہو چکے اب پھر چلو دہیں | فیروز شاہ کی لاٹ کے اس چوتھے کھنڈ پر

وہ پہلوان سادہ لب جو یہ ڈنڈ پیل | بولا کہ کوئی عشق تو ہوا ایسے بلنڈ پر

انشا بدل کے قافیے رکھ چھیڑ چھاڑ کے | چڑھ بیٹھ ایک اور بھی بیڑے اکنڈ پر

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں راجہ کے کنڈ پر | بنکر مہنت گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ غش ہیں آپ | عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ پر

جو چاہے تو مجھ سے ہنسوڑے کی خیر | تو یوں دیکھ اس گھوڑے جوڑے کی خیر

کداوے نشے کے مرے رخش کو | میاں ساقی اس سلنے کوڑے کی خیر

ہنسایا جو میں نے تو بولے نہیں | نظر آتی کچھ اس نگوڑے کی خیر

لگا بیٹھ انشا کو ٹھوکر تو ایک | ارے اپنے سوتے کی توڑے کی خیر

غرضکہ اسی طرح بات بات میں ظرافت اور ہنسوڑپن کرتے تھے - ریختی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہلوی کے اتباع میں تفنن طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی ریختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آورد سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلی کی بیگمات کا روزمرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذو معنی ہیں جو ریختی اور ہزالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنھیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دوگانا اس کل کے دوڑنے سے — جو حال ہو گیا ہے اس پاتوں کی تلی کا
مجھسے نہ اڑ زناخی تو رات کو کہیں تھی — چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا
ہاتھوں سے تیرے ہیں تو کمبخت عاجز آئی — جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا
انشا سوائے اپنے اللہ کے جہاں میں — ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دوا سے کہی — منھ دکھاوے نہ خدا آپ سے ناداں کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کرے — جامہ پہن کر اگر آوے تو قرآں کا

اللہ کرے سلامت جم جم رہے یہ بیڑا — ہے جسکے دم قدم سے دنیا کا سب بکھیڑا
کیوں گوئیاں انگلیو نسے تو مجھکو ہے لپٹتی — ہے ہے تری اگلھری کیا مانگتی ہے بیڑا
بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہوں الٰہی — لگجائے انکے منھ پر از غیب کا تھپیڑا
باجی سے اپنی ہنسکر کل وہ پری یہ بولی — کیوں تمنے میرے انشا اللہ خاں کو چھیڑا

کروں بستار کیا اپنی دوگانہ کی رکھائی کا — دماغ آ کر انھیں ہیں ٹھٹس رہا ساری خدائی کا
نیا یہ موہلا سننے لگا ہے ٹوہ میں میری — موا دربان کا لڑکا پلیٹڈو منجھلے بھائی کا
وہی جانے کہ کیونکر بات چیت اس تک پہنچی ہے — دوا کا آسرا ہے یاں بھروسہ ہے نہ نائی کا

تجھے پکڑا نہ تھا انشا سے میں نے بات کرتے کل　　مگر نا-کام ہے تیرے یہاں تو بیحیائی کا

یہ چوٹی ہے تری سانپ کی اک لہر دگانا　　کھاتی ہوں ترے واسطے میں زہر دگانا
چتون تری بس دیکھتے ہی یاد پڑی ہے　　دلّی کی وہی چہل وہی نہر دگانا
نوج ایسے کہیں اور رہوں گھر کھوج مٹے لوگ　　سب تاڑ گئے ہے یہ بُرا شہر دگانا
میں تجھسے سمجھ لوں گی بھلا کون ہے انشا　　اللہ ارے تو ہے بڑی قہر دگانا

اڑ گئی فاختہ کیوں سر پہ دم دیتی ہے　　اجی اسکا نہ کچھ اچھا مجھے کھٹکا لگا

تھام تھام اپنے کو رکھتی ہیں بہت سا لیکن　　کیا کہوں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا
اپنے کوٹھے پہ کچھ اسدہب سے زتیلا کہ مری　　لیگیا جان اڑا ایک کبوتر والا

ہے یہ سخی کونسی منزل انشا اسکا نام بتا　　ڈر سا میرے دل کے اندر اس منزل میں بیٹھ گیا

تمنے یہ بیتی کہانی تو بنڑی آنا　　آپ بیتی تو کوئی بات نہ چھیڑی انا
پاپلی ٹھیکری اک ڈھونڈھو کے لا دے جس سے　　اپنی میں رگڑا کروں پاؤں کی ایڑی انا
کٹ نہ نا شے سے ہوئی دیتی اچھا تو ہوا　　کٹ گئی یعنی مرے پاؤں کی بیڑی انا
نہیں سنگار لیا تو نے تو پھر انشا نے　　میرے دروازے کی کیوں چول اکھاڑی انا

اپنا جود کھاتا ہے ہمیں زور نگوڑا　　صدقے اسے کر ڈالئے در گور نگوڑا
میں پیچ پڑوں کیوں نہ جو لے انگلی میں اپنی　　ڈالے مسل انگلی کی مری پور نگوڑا

ہمسایہ میں کو نجل ہوئی کل رات کو انشا	گھس اُسکے زنانہ میں گیا چو رنگوڑا

تو قیامت بے تُمری ہے حد بُرا تیرا اگلا	خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ تیرا گلا
کیوں پڑا نہ لگے نہ دل میرے کلیجے میں بھلا	ہے تمہارا روپ ایسا جیسے سوتے میں ڈلا
دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کو ہٹ گئیں	واچھڑی معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب بھلا

آگ لینے کو جو آئیں تو کہیں لاگ لگا	بی بی ہمسائی نے دی جیمیں مرے آگ لگا
نہ بُرا مانے تو لوں تو رچ کوئی مٹھی بھر	بیگما تیری کیاری میں تیا ساگ لگا
شوق سے سونگھ لے انشا مرے یہ بالوں کی	دے جتیل خور کے ہونٹوں میں تو اک ناگ لگا

کمبخت ہے وہ کام دُگانا بہت بُرا	صدقہ گئی تھی ہے یہ زمانا بہت بُرا
دلسوز ہے دوامری پر اُس کا ہر گھڑی	لگتا ہے انگلیوں کا نچانا بہت بُرا

تو تو آکٹی نہیں جائیگی مرے عیبوں سے	اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا تجھکو کیا
نئی ڈھاکوں کی سی کھیتی کیطرح سے انشا	ڈہڈہی اور ہری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے	ارے او سقہ کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا

پک رہی ہے جو یہ کھچڑی سی تمہو تمیں جس سے	اسکی ابتک نہ گلی دال نہ چانول کسکا
ہاتھ آیا سو ہتیلی سے ہتیلی ملنا	چولھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا چسکا

چبھتی ہے یہ تو نگوڑی مجھے بھاری انگیا
کوئی سادی سی مرے واسطے لا ری انگیا

گوکھرو لہر بنت ڈاک ستارے کیا چیز
اس سے ہو جاتی ہے کمبخت گنواری انگیا

گیند اک میں نے جو پھینکی تو جھجک کر اُن نے
کچھ عجب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا

بی بی مغلانی جو سی لائیں تھیں آئی نہ پسند
بیگما جی نے وہ سر اون کے سے ماری انگیا

جسمیں بو باس ہو تیری وہ نشانی دے ڈال
چھلّا میں کیا کروں نگا اے ترے واری انگیا

اوڑھنی مجھسے جو بدلی تو اجی باجی جان
وہ بھی اک دیجیے جو ہو بھاری سے بھاری انگیا

تھی عجب کوئی سگھڑ جسنے یہ کاڑھے بوٹے
واچھڑی بنگئی اک پھولوں کی کیاری انگیا

ہاتھ انشا کا کہیں چھو جو گیا تو بولیں
تیرا مقدور کہ تو چھیڑے ہماری انگیا

سیل کے کونڈے اسکے آج ہیں کیا اے ددا
ہے وہ چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا

تمنے جو میرا اوڑھا دوپٹہ ہے یہ دگانا بات کڈھب
لگتا ہے اسمیں دونوں کو بٹہ ہے یہ دگانا بات کڈھب

ایسی نہ چالیں چل تو ہے چاد بھری جو لوگ کہیں
آپس میں ہی ان کے سٹا ہے یہ دگانا بات کڈھب

خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر جاتا ہے کوئی بوڑھا سا
انشا تو ہے ہٹا کٹا ہے یہ دگانا بات کڈھب

کوٹھے پر سیڑھیوں میں یا کہ منڈیروں سے اُدھر
صحن میں ڈیوڑھی میں یا اور کہیں منھ سے پھوٹ

سر ہلانے سے بھروسہ نہیں پڑتا کسوقت
کسیگہ کب وہ کدھر یاں کہ وہیں منھ سے پھوٹ

بس بلائیں مری نہ لے چٹ چٹ
اے دگانا تو ایک ہے نٹ کھٹ

دم دلاسا عبث نہ دے انا
چل چخی دور ہو پرے بھی ہٹ

چوٹ اک دل کو لگ گئی انشا
جیب سنی اُس کے پانوں کی آہٹ

مت اُجڑ گئے سے بھڑ اور غش نہ کھا کر گر — بیکلی نہ کر آخر چین نے ذری کم بخت

کچھ تجھے شرم بھی ہے بیٹھ پرے او کمبخت — تا ٹر جاویں گے بُرے لوگ ارے او کمبخت

انشا سے ملتے کیوں نہیں عشق ہو بھلا تو دیر کیا — جی ہی یہ کھیلے ہو تو پھر لوگوں سے ڈرتے ہو عبث

سارے بھوتوں سے پرے ہے یہ موا خواجا خبیث — مجھکو گھورا ہی کرے ہے یہ موا خواجا خبیث

رات بھر کھانسا کرے ہے نیند آتی ہی نہیں — موت کے اب دن بھرے ہے یہ موا خواجا خبیث

بیگما انشا سے بچیسی نہ کھیلو بس کرو — رشک کے مارے مرے ہے یہ موا خواجا خبیث

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہو نوج — اے دوا جان وہ کمبخت بُرا کام ہو نوج

مردوا مجھ سے کہے ہے چلو آرام کریں — جسکو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج

دن دہاڑا ہی رہے ، جی تو بچے اے انشا — کلموہی کالی بلا ہائے وہ پھر شام ہو نوج

باجی کہتی ہیں کہ اک مردوے پہ غش ہے تو — مفت ایسا بھی کسی شخص پہ بہتان ہو نوج

ٹاٹ کے ٹکڑے پہ کھینچا جو انھیں تو بولیں — میرے کپڑوں کی طرف دیکھ او ٹاٹ کو سوچ

کالے بادل نہ گھر آتے تو ارے او لوگو — آبرو آج مری مفت میں کیوں کھوتی صبح

کان کی لو میں گھسی موٹی سی بالی کیونکر — جسکا ہو سوئی کے ناکے سے بھی تنہا سوراخ

بلائیں میں نے جو لیں اُنکی کل چٹاخ چٹاخ — تو کس مزے سے کہا بیگما نے چل گستاخ

میں ترے صدقے گئی اے مری پیاری مت چیخ
مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری مت چیخ
لگتی ہے چوٹ تو لگنے دے مسوس اور وری
ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ
پر چیخ چنگھاڑ مچاتی ہوئی انشا سے نہ مل
ہتّو اب منتیں کرکے تری باری مت چیخ

جاڑا لگے ہے کھینچ لے مجھکو لحاف میں
پاجامہ یخ ہے برف ہڑا ولا ازاربند
تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا یہ رات کو
وہ گچھے دار آپ نے تو لا ازاربند
کیا بھر گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا
ہے سخت جیسے لکڑی کا چیلا ازاربند
انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیجئے
دیجئے تو اپنا میلا کچیلا ازاربند

ہے تو سہی اجی یہ نکیلا ازاربند
لیکن کسی کا نوچ ہو ڈھیلا ازاربند

اے دگانا مجھسے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ
تو کیا کر آج سے تو بھی بس اک اکیس ڈنڈ
جو بری مہندی لگا دے اسکے باندھے ہاتھ پاؤں
لوٹتی کیا کیا مزے ہے یہ موئی شفتل ارنڈ

جو مجھے ٹوکے سو الٰہی کرے
ہو تے سوتے کو اپنے کھاوے پچھاڑ
ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول
ارے او بے سرے نگوڑے کواڑ
لے چل انشا مجھے کبھو رستلے
یہ تو ہے مرد نام اسکا ہے تاڑ

بیگما نے جو کیا جھکسکے سلام آ تو کو
آغا مینا نے سنائی اسے یوں ہی آواز
پوتوں پھلنا تجھے اور دودھوں نہانا ہو نصیب
بیاہ ہو سونیکے سہرے سے تری عمر دراز
بیگما جان بڑی شرم کی ہے یہ بات
گتھ گئیں بطخے سے انشا کی تمہاری بی قاز

بھیجدی اُن نے انگوٹھی مجھے فیروزہ کی
اسکے یہ معنی کہ ہیں تُوہ میں خواجہ فیروز

گود پھولوں سے بھری میری دگانا شاباش
تیری کھیتی ہو ہری میرے دگانا شاباش

اوٹ میں اپنی دکھا دے مجھے اُس شخص کو آج
میں ترے صدقے اری میری دگانا شاباش

میری خاطر سے جو دکھ ہو تو پڑا ہو سہ لے
اور بھی ایک ذری میری دگانا شاباش

اوئی راہیل ہو گئی میں آج
گورے گورے ترے بدن پر غش

یونہی میں غش ہوئی دگانا پر
راجہ نل جیسے تھا دمن پر غش

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص
اجی دد کواریوں میں تو ج ہوا ایسا اخلاص

نہ بتولے مجھے ددیاں سے اوڑ بچھو ہو جاؤ
کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اخلاص

کب زنانخی مرے پاس آئی تھی کل رات غلط
مجھے اُس سے ہوئی کسطرح ملاقات غلط

شرط ہے رکھنا لحاظ اتنی بھی مت ہو بے لحاظ
سانس مت بھراو دگانا چپ اری او بے لحاظ

ہوتے سوتوں سے کہوا بنے یہ خوش لے دا سے چھڑے
دال فے ہو یہاں سہلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ

نہیں جاتی کہیں مہمان مرے دل کا شوق
تمکو کیا اس سے ددا جان مرے دل کا شوق

بات چیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں
نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق

طعنے مت دے مجھے ہاں ہاں اجی ہو جاتی ہوں
جان اور بوجھ کے انجان مرے دل کا شوق

منتیں مت کرو انشا کی طرف سے اوسپر
میں نہیں کرنے کی احسان مرے دل کا شوق

ہے جو دروازہ وہ دوگانا کا کا | اس میں بن چول کا کواڑ ہے ایک
اس کی زنجیر بھی نہیں لگتی | آگئے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

میں جھجک اٹھی لیکے انشا نے | کل جو چھو دی جو میری ران میں لونگ
اری بی ایک ہی عیار ہو تم | ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

میں تو کچھ کھیلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں | جو نہ سمجھوں گی زنا خی جان تیری بولیاں
کیا یہ چھیڑ خانی کی باتیں آگے ہم سے چھیڑیاں | سیکڑوں بتے یہاں رگڑا کئے ہیں ایڑیاں

بلا سے اگر آئی ہولی کہارو | نہ مجھ سے کرو بولی ٹھولی کہارو

بلا وہ لائیے کمبخت جو چت چاہی ہو | اجی بس جاؤ بھی کچھ تم تو بڑے داہی ہو
پھر جو بول اٹھوں گی کچھ میں تو یہ طعنے دو گے | قہر ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو

تم بڑی قہر ہو اے باجی جان | نوج تم سی کوئی پھپھسی ہو
اے دگانا تری مشغولی کو | چیز اک موم کی بتی سی ہو

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑ میں تری پولی ہو تو | اے ددا قربانِ کشش بڑھیا کی ہمجولی ہے تو

گلوری پان کی جو کھا رہی ہے اس سے کہتا ہوں | نہ رکھے بات کچھ جی میں بھری ہو سو اگل ڈالے
فضیحت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں ہینا چاہیے | بڑا ادانہ جو ہو چکی میں کیا چھوٹوں کو دل ڈالے

بڑائی میرے ٹھینگے پر خدائی رات ہیں ہیں نے | بڑے ایسے بہت سارے کڑھائی بیچ تل ڈالے
مجھے ڈر ہے بچھیڑا اک جو ہے تا کند سا پھرتا | مبادا اسے دداجی وہ کہیں مجھکو کہندل ڈالے
غلیلہ پھر اسے گھڑیال کا کیونکر نہ ٹھرا دیں | نگوڑی باولی چڑیا مزے میں جو خلل ڈالے
دگانا مدھ میں جوبن کے بھری وہ وقت آپہونچا | کہ کوئی پھول اسکی گود میں کوئی لاکے پھل ڈالے
اری تو ابلی ہی پڑتی ہے مارے چھل کے او رنڈی | خدا ایسی بھی دیدہ ونیں کسیکے تو نہ چھل ڈالے

ہزاروں دیو دنکو یا نکی پریوں نے پچھاڑا ہے | نہیں یہ لکھنؤ راجہ اندر کا اکھاڑا ہے
رضائی شال کی اوڑھ ہو چلو ہم تم چھپر کھٹ میں | ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آرہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو کچ کچا کو کائی ان کی ران کاٹی | تو اس نے کس مزے سے میری زبان کاٹی

یوں جھکا مجھپہ کوئی رات کا جاگا جیسے | تم تو وہ چاہتے ہو سوئیں ہیں دھاگا جیسے
یونہی ہر بات میں بولا کرو سکڑہ سُردا | ابھی آغا کو بہک کر کہا آگا جیسے
ڈھال تلوار لئے لانگ چڑھائے انشا | مجھسے یوں رات ملا ہو کوئی ناگا جیسے

اسے قربان کردوں جو مجھے چھیڑے انشا | میری چھاتی جو چھوے اسکی ہتیلی جل جاے

پڑ گیا نیل مرے گال ہیں کیسا قہر ہوا | ارے کمبخت نگوڑے پڑے تجھپر بجلی
ہو گئی ران تو سب لوہو لہان اے انشا | دیکھ میں چیخ پڑونگی نہ مرے لے چٹکی

چپکے دیتی کھول کنڈی لینا انشا کو بلا | ڈر بھلا کیا چاہیئے دربان یو بک کا تجھے

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی باجی
اے لو اس کوٹھری میں میرے ڈرانے کیلئے

ابتو نوبت بجی اٹھو ابھی باجی باجی
اک عبا اوڑھ کے بن بیٹھی ہیں حاجی باجی

چبھتی ہے یہ نگوڑی مسلسل کی اوڑھنی
بن سر ڈھپے ہوے تجھے کیا چاہیے بھلا
کوکا جی دیکھو میرے دگانا پہ کیا پھبی
انشا کے سونگھنے کے لئے اُن نے بھیجدی

لادے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی
بوٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی
پشواز اودی اور جلا جھل کی اوڑھنی
جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

رباعیات

اے بی بی ہیں شاندار بھائی تیرے
وہ چال نہ چل کہ نام رکھے کوئی

صدقے قربان جاے دائی تیرے
بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے
اٹی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے

گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے
بے فائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

جھانجا تو نکر عبث نفیصحت ہوگی
چالیں یہ چھوڑدے نہیں تو ناحق

آتو یہ سنے گی تو قباحت ہوگی
اک روز بڑی بڑی فضیحت ہوگی

انعام۔ یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع سارن کے رہنے والے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ہے۔ عربی فارسی میں کافی دسترس ہے ظرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں آپ کے چند شعر دستیاب ہوے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو۔

سندھیئے شلوار زر ہم سکۂ زر تار داشت — باوجودش نالہ ہاے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست — گفت مارا قرضۂ بقال بر این کار داشت

سیٹھ اگر نہ نشست با ما نیست جاے اعتراض — مالک ہمیان زر بود از گدایان عار داشت
بنگر بدا این تنگیٔ حال مسلمانان سندھ — شیخ سندھی خرقۂ خود رہن ساہوکار داشت

حدیث از قرضۂ خود گو و راز کھٹی کمتر جو — کہ کش نکشود و نہ کشاید بحکمت این معمارا
من از آں سود روز افزوں کہ قرضہ داشت دانستم — کہ قرض از کیسۂ سندھی بر آرد پیسہ پیسہ را
فغاں کیں بنیہاے شوخ دھوتی پوش شہر آشوب — چناں بردند سود از ما کہ ترکاں خوان یغمارا
سمن دادی و خور ستدم جزاک اللہ نکو کردی — ہمیں زیبد بہ رہن و قرضہ ہر بقال و بنیاں را

غلام دھوتیٔ بقال تا حیدرا آباد اند — خراب کھاتہ وہی تو ہوشیار اند
گزار کن چو صبا در دیار ہند بہ بیں — کہ از تطاول بنیا چہ سوگوار اند
ترا بیاج و مرا آب دیدہ شد غماز — وگرنہ قارض و مقروض راز دار اند

انوری۔ محمد اوحدالدین نام تھا۔ ایران میں علاقہ ابیورد میں بدہنہ ایک گاؤں ہے جو مہنہ کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد ومسکن تھا۔ اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں اسی مناسبت سے اوایل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا۔ پھر اپنے اوستاد کی فرمائش سے

یہ تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایۂ فضل و کمال اتنا بلند ہے کہ تذکرہ آتشکدۂ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعرا میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انوری۔ فردوسی۔ طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی تو سنجر کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا۔ اور ۵۳۳ھ میں سلطان احمد پیروز شاہ نے اسکو بلا لیا۔ اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا۔ اور آخر کار بلخ میں پہونچا۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجوگوئی کا مادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ لہذا جب یہ بلخ میں پہونچا تو وہاں بھی لوگوں کی اور اس شہر کی ہجو کہی لوگ اس سے نہایت برہم ہوے۔ بلکہ اصل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی فتوحی ایک شاعر تھا جس نے اسکے نام سے وہ ہجو لکھکر مشہور کر دی تھی۔ مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا۔ اہل شہر اس قدر بگڑے اسقدر برہم ہوے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا، اور اوڑھنی اوڑھا کر گلی کوچوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہونچی۔ سچ ہے بد اچھا بدنام برا۔ لیکن قاضی حمید الدین مصنف مقامات حمیدی کی سعی و کوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ اسمرتبہ انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر و شاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخر کار ۵۸۷ھ میں بمقام بلخ وفات پائی۔

انوری شعر و شاعری میں شہرۂ آفاق تھا۔ اسکے معاصرین میں کوئی اسکا ہمسر مقابل نہ تھا۔ خصوصیت سے ہجوگوئی میں اپنے اقران و امثال میں سب سے زیادہ تھا۔ اسیوجہ سے ہزالی۔ اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اُس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی ظرافت، ہزالی۔ اور ہزالی فحش گوئی تک پہونچتی ہے[لہ]۔ مگر کمال ہر صورت اور ہر رنگ

لہ ہم بہت سخت انتخاب کے بعد یہ چند شعر لکھتے ہیں۔ جو لوگ چاہیں کہ انکی ہزالی کے پورے جوہر دیکھیں وہ انکی کلیات کا آخری حصہ دیکھ لیں ۱۲

میں ہے۔ ملاحظہ کیجیے کسی طویل القامت آدمی کی شان یہاں فرماتے ہیں۔

امی خواجہ درازیت رسیدہ است بجائے ۔۔۔ کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت
گر عمر تو چوں قد تو بودے بدرازی ۔۔۔ تو زندہ بماندے و بمردے ملک الموت

روزے از بہر تماشا سوے دشت ۔۔۔ چند زن بیروں شدند از دختراں
چوں بصحرا ساعتے ماندند دیر ۔۔۔ چند خر دیدند در صحرا چراں
نرخرے بر مادہ خر رغبت نمود ۔۔۔ بر مثال عاشقاں با دلبراں
با عمودے یک گز و نیم آبنوس ۔۔۔ گادنی میکرد بر رسم خراں
کہ فرو می برد گہ بر می کشید ۔۔۔ تیر می افگند و میکرد عاں عاں
زاں زناں یک زن آں گادن بدید ۔۔۔ بر کشید آہے و گفت اے شوہراں
گر جماع اینست کایں خر میکند ۔۔۔ بر کس ما می رینند ایں شوہراں

زعیم خیرہ را ریشے است برگرد دہن تاں ۔۔۔ کہ گوئی عنکبوتے بر کس گاوے تنیدستے
سرے دارد کل و ہر جائے موئے رستہ دو راز ہم ۔۔۔ مگس گوئی بر اطراف کدوئے خشک کاہیدستے
بجائے ناف چوں دایہ در اول سر بریدیش ۔۔۔ دریغا گر بجائے ناف ادر کے آں دریدستے

آنکس کہ جگر خوردہ بہ مردی ہنر آموخت ۔۔۔ در دور قمر گو بہ نشیں خونِ جگر خور
پیغام زناں می بردہ بیاے بزر پوش ۔۔۔ یا مسخرگی می کن و حلواے شکر خور

اوج۔ تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا۔ دلّی کے قدیمی باشندہ تھے۔ اور یہیں کی گلیوں میں پوری عمر گزاری تھی نہایت ہی کہنہ مشق بزرگ تھے۔ مگر خرابی اتنی تھی

کہ چاہتے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون کہوں۔ اس میں ایسے الجھتے تھے کہ ایک مصرع کہنے کیلئے گھنٹوں بھر دوں منہمک اور سر بگریبان رہتے تھے۔ پھر بھی وہ مضمون قابو میں نہ آتا تھا اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے۔ جب شعر کہہ لیتے تو شہر کے باکمالوں کو جا کر سناتے۔ اسوقت کے لوگ مہذب تھے کیسکو آجکل کے بدتمیزوں کی طرح یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ منھ پر ایک لفظ بھی ایسا کہہ دیتے۔ جس سے توہین ہوتی۔ سنتے اور خوب واہ سبحان اللہ کا غل مچاتے رہجاتے۔ ذوق غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے۔ اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا بچہ ہی سمجھتے تھے۔ ادھر ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہنہ مشق بڈھا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ اسی لئے ان کی مشیخت آبائی کی باتیں سنکر یا یہ لوگ چپ ہو جاتے اور یا برابر داد دیتے۔ مرزا غالب نے جب اُردو کا دیوان تمام کر دیا تو اوج مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنایا۔

دیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب ۔۔ غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

مگر مرزا نے کہا کہ واللہ کافر ہیں یہ لوگ جو آپ کو اُستاد کہتے ہیں۔ تم تو شعر کے خدا ہو۔ ایسے ہی ایک مرتبہ کنور اجیت سنگھ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہاتھی انعام دی۔ چونکہ مومن مرحوم نجومی بھی تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوئے انہوں نے شعر کہا۔

جھوٹوں میں وہ مومن مکان لیتا ہے ۔۔ نجومی بنکے جو ہاتھی کا دان لیتا ہے

دلّی میں شہر میں ایک بڑی نامی رنڈی تھی۔ خدا نے توفیق جو دی تو گناہوں سے تائب ہو کر حج کو چلی۔ اوج کے استہزا کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا۔

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی ۔۔ مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

ان کے کلام میں ظرافت کا چٹخارہ اسی سے پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں وہ کہا نہیں جاتا۔ چنانچہ نمونہ کے شعروں میں آپ یہی بات پائیں گے۔

ہیں مچھلیاں یہ دیکھی جبین پر شکن کے اندر ۔۔ الٹی ہے بہتی گنگا بھوں کے اندر

دنیا کے منقلب کا الٹا ہے کارخانا ۔۔ ہے مہر شمع داغ دن اس انجمن کے اندر

میں وہ ہوں نخل جو ہے سلسبیل دریائی
مری ہے کشتی گل نارجیل دریائی

مجھے اترتی ہے گرداب آسماں سے وحی
ہے راہبر خضر جبرئیل دریائی

میں کالا پانی پڑا ناچتا ہوں ہر شب و روز
زمین کا گز ہے مرا کلک میل دریائی

بنا ہے کنگرۂ خار میرا دشت حصار
مرا ہے آبلہ برج فصیل دریائی

جہاز ہے مرا اک تار لنگر دم پر
مرے عمل میں ہے جر ثقیل دریائی

میں اپنے کوچ کی ہوں موج میں بہا جاتا
حباب وار ہوں کوس رحیل دریائی

ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے
یہ آب شور ہے دیتا زفیل دریائی

ہے اوج مردمک دیدہ مردم آبی
نکال دیدۂ تر سے سہیل دریائی

وحشت مجھے زنجیر پنہاتی ہی تھی اکثر
طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر

جب تھا زر گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں
بلبل پڑی گلچھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

دم کا جو دمدمہ ہے باندھے خیال اپنا
لے پل صراط تر میں یہ ہے کمال اپنا

طفلی ہی سے ہے مجھکو وحشت سرائے الفت
سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے نال اپنا

کسب شہادت اپنا ہے کس کو یاد قاتل
سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا

بھاتا ہے جوش عشق شیریں دشوں میں رونا
ہے آب شور گریہ آب زلال اپنا

اوحدی - مولانا اوحدی کرمانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو علم و فضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا - زیادہ حال معلوم نہیں - اس لئے تھوڑے سے اشعار ظریفانہ جن میں اخلاق و نصایح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں -

عارفے مشد بخواب در فکرے
دید دنیا چو دختر بکرے

کرد از دے سوال کاے دختر — بکر چونی بایں ہمہ شوہر
گفت دنیا کہ با تو گویم راست — کہ مرا ہر کہ مرد بود بخواست
ہر کہ نامرد بود خواست مرا — این بکارت ازان بجاست مرا

پسرے با پدر بزاری گفت — کہ مرا یار شو بہ ہمسر و جفت
گفت بابا زنا کن و زن نہ — پند گیر از خلائق از من نہ
در زنا گر بگیر دت عسسے — بہ بلا کو گرفت چوں تو بسے
زن بخواہی ترا رہا نکند — گر تو بہ گزار یش چہا نہ کند
از من و مادرت نہ گیری پند — چند بینی دیار بینی چند
آں رہا کن کہ آب دہیمہ نماند — ریش بابا نگر کہ نیمہ نماند

فرج گور است اندراں لحدے — صحبت او عذاب ہر احدے
آلت شہوت تو کور افتاد — زندہ زاں بے کفن بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے - جنکا تھوڑا سا کلام تو دستیاب ہو گیا - لیکن افسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہو سکا مجبوراً ایک غزل ہی پر اکتفا کی جاتی ہے - ملاحظہ ہو -

اُٹھنے لگے جمنا سے بخارات سودیشی — لو ہونے لگی ہند میں برسات سودیشی
کیوں اُنکی حرارت سے نہ تبخیر ہو پیدا — تا چرخ جھکنے لگے ذرات سودیشی
جب بھونکدیں بادل میں لگی پانی برسنے — ایجاد ہم ایسے کریں آلات سودیشی
یورپ کی نہ مکئی ہو نہ امریکہ کے گیہوں — بنیوں کی دکانوں پہ ہوں غلات سودیشی

چوبایہ نہ لینگے کوئی یورپ سے کبھی ہم — ناگور کا ہو بیل تو ہو شان سودیشی

غلے کی بساط ایسی بچھے ہند میں گھر گھر — اک کشت سے یورپ کو کرے مات سودیشی (بکری)

سوڈا ہو کہ منگنیشیا سب چولھے میں جائیں — اب بیچیں گے عطار نباتات سودیشی

برسات بلا لیں گے ہم اشکوں کی جھڑی سے — آہوں سے اٹھائیں گے بخارات سودیشی

طاعون کا کھٹکا ہی نہ ڈر قحط کا اے پنچ — ہاں فکر رہا کرتی ہے دن رات سودیشی

باب بائے موحدہ

باپ۔ مادھو رام نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ مکرمی قمر بدایونی۔ اور جناب حکیم حافظ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی سے آپ کا کلام مل گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ حالات کچھ زیادہ نہ معلوم ہو سکے۔ قمر صاحب ہی سے یہ لطیفہ سنا کہ باپ جب بدایوں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ تو اکثر لوگوں سے نوک جھونک ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ مستقل حریف پیدا ہوئے اور اپنے ایک شاگرد کا دادا تخلص رکھا۔ مشاعرہ میں جب اس شخص نے غزل پڑھی تو باپ کو بہت کھری کھوٹی سنائیں۔ باپ ایک حاضر جواب آدمی تھے رہا نہ گیا یہ شعر موزوں کرکے اسی مشاعرہ میں سنایا۔ روئے سخن اپنے خاص حریف کی طرف تھا ؎

وہ تیرے باپ ہوں دادا ہوں پردادا ہوں کوئی ہوں — مگر سب باپ کو تو باپ ہی اے یار کہتے ہیں

حریف پر ایک اوس سی پڑ گئی۔ اور عرق شرم میں نہا گئے۔

باپ کا کلام محض ظرافت کی حد میں ہے۔ نہ اسمیں اخلاقی نکات کے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ سیاسیات کا دخل ہے۔ دیوان کا انتخاب کرکے یہ چند شعر درج کیے جاتے ہیں

ہر اک بات میں او ہی رے۔ مار ڈالا — کوئی تم سے بڑھ کر زنانا نہ دیکھا

چرائیں بھی ہم گھاس بھی ہم ہی لائیں ہیں یار تیری گدھیا نے مارا
غضب ہائے اُس بیت کا رو رو کے کہنا مجھے آج جورو کے بھیا نے مارا

چھڑا کر کمر بند کہنا کسی کا تو کیا پھاڑ ڈالو گے لہنگا کسی کا
بہت آزمایا زمانے میں ہم نے نہ رنڈی کسی کی نہ بھڑوا کسی کا

نہیں ہے ساتھ اے ہمراز میرا اور دشمن کا میں اک اندھی یہ عاشق ہوں وہ شیدائی ہے کوڑھی کا

دیکھے دل ڈر ہے مجھے اب یہ مری جاں دل کا حال پوچھے نہ کہیں مجھ سے مری ماں دل کا

مری جاں قتل کے ملزم ہو تم محشر کا موقع ہو ضمانت ہو نہیں سکتی مچلکا ہو نہیں سکتا
وہ کہتے ہیں مٹھائی دو تو وعدہ وصل کا کرلیں پہ چنے خالی کھلا دینے سے ایسا ہو نہیں سکتا
اسی ہفتہ میں سنتا ہوں کہ بچہ ہونیوالا ہے کہاں کا ناچ اُن سے صرف مجرا ہو نہیں سکتا

پوچھنے کیا ہو شب وصل میں کیا کیا ہو گا آج تو کچھ بھی نہیں بعد کو بچّا ہو گا
گڑ چنے کھائے ہیں میرے یہ ذرا یاد رہے آج وعدے پہ نہ آوگے تو ہیضا ہو گا
شیخ کا جیسے تمہیں باپ ہوا ہے دھوکا میرا سالا تو نہ ہو گا مرا سسرا ہو گا

جوتہ نیا ادھوڑی کا پہنے ہے یار آج شاید کہ ہو گیا کوئی عاشق چمار آج
جاتے ہیں میکدے کو تماشا بنے ہوئے پیچھے ہے شیخ جی کے لگی لونڈھیار آج

وہ آدھی رات سے ہی شب وصل چلدیئے　　اس کا عذاب شہر کے مرغوں کی جان پر
دوزخ میں ہم بولس میں پڑا ہے یہ جیل میں　　کچھ تو کہو ملوگے مجھے کس مقام پر

ہے اُن کے وصل کا وعدہ تو کب روز قیامت پہ　　جگہ تجویز کیا کی بانس پر یا بے بیٹی چھت پر

جو دشمن ہیں ہمارے جنکو ہم اغیار کہتے ہیں　　انھیں سب کو وہ اپنی ماں کا رشتہ دار کہتے ہیں

رقیب روسیہ کی کاٹ لینگے ناک جوتے سے　　بلا سے ایک دو ہفتہ رہینگے گر بڑے گھر میں

عدو بکری کا بچہ چھپا آخر کھل گیا سب پر　　کہا کم بخت نے جب بزدلی سے زیر خنجر میں
غلط خیال تھا میرا کہ وہ مری جان ہیں　　نہیں ہیں جان مرے دشمنوں کی امان ہیں
تخت کی رات مری چھیڑ یہ جو رونے مری　　مجھکو یہ کہکے ڈرایا کہ خصم مار ہوں ہیں
ان کی منت پہ شب وصل انھیں چھوڑ تو دوں　　وہ کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ بیکار ہوں ہیں

اغیار ترے ماں ہیں بہن ہیں کہ چچی ہیں　　کیا حق ہے انھیں کیوں ترا سر باندھ رہے ہیں

غیر کے وصل کو اب ہوتے ہیں کمرے خالی　　غسل خانہ ترا لکھا تھا مری قسمت میں

جز میرے ترا بوسہ لب جسنے لیا ہو　　اللہ کرے چار مہینے کی سزا ہو
کسواسطے اُس سے مجھے ملنے نہیں دیتے　　تم حضرت ناصح کوئی رنڈی کے چچا ہو

سیتے دیکھا جو لنگوٹا مجھکو دختِ رز نے کہا لہنگا مجھکو
وصل کی باپ ہو کر کیونکر خواہش یار اب کہتا ہے بھیا مجھکو

گھٹتی ہے دشمنوں سے صبح و مسا تمہاری یہ رنڈیہ مار دینگے اسے دلربا تمہاری
رندونکی تم مذمت کرتو رہے ہو واعظ اٹھکر خبر نہ لے لیں یہ سب چچا تمھاری

ہم بھی تیرے صحن میں اغیار بھی ہیں آج یہ دیکھنا ہے اب تری کھٹیا کدھر رہے
کہتے ہیں آج تیرے یہاں سو رہیں تو پھر اماں سے کیا کہیں گے کہ کل کسکے گھر رہے

خدا کے لیے سر منڈا لو مری جان بہت بڑھ گئی ہے حجامت تمہاری

ناکہ مجھپہ فدا اور میں رنڈی پہ نثار ایک کے گھر میں رہوں ایک مرے گھر میں رہے
پھر اگر غیر بھٹک جائے تو اسکا ذمہ باپ کو حکم وہ دیدیں کہ مرے گھر میں رہے

وہ جوتوں سے کی ہے مرمت کسی کی کہ بن بن گئی ہے حجامت کسی کی
کوئی نیچری سانڈ پالے پڑے گا علیگڈھ میں ٹھہری ہے نسبت کسی کی

سنا ہے دخترِ رز آپ کی ہمشیر ہوتی ہے جبھی تو شیخ کی رندوں میں یہ توقیر ہوتی ہے

گر باپ میں نہیں ہے تو ماں میں قصور ہے نطفے میں تیرے فرق مری جان ضرور ہے

کہاں جا سکتے ہو اب مرے گھر سے — تمہاری تاک میں تھا سال بھر سے
ملا جو انسے اُنھیں نے قید کاٹی — ملا ہے جیل خانہ ان کے گھر سے
پھر آخر مجھسے تم کیونکر ملو گے — خوشامد سے کہ جوتے سے کہ زر سے
عدو کیا مار ڈالے گا مری جان — خطا پیشاب کیوں ہوتا ہے ڈر سے

رنڈیاں طائر دل پھانس رہی ہیں جو یہاں — بیبیاں ہونگی یہ دوزخ کے چڑیماروں کی
ہاتھ میں نیم کی ٹہنی ہے بغل میں جوتا — یہی پہچان ہے باپ انکے خریداروں کی

بزم عدو میں ہوں کہ جہنم میں جائیں آپ — جب میرے گھر نہیں ہیں تو چاہے جہاں رہیں

سیکڑوں کو وہ ٹانگ دیتے ہیں — ان کو پھانسی مگر نہیں ہوتی

کیا مزا آئے جو اغیار کے اوپر سر بزم — دھار پیشاب کی وہ ٹانگ اٹھا کر مارے

کل سنا تھا یار کا جلاب ہے — آج سنتا ہوں کہ رحلت ہو گئی

نیند کیسی سننے والے مر گئے — اے میں قربان ڈھول کی پول تھاپ کے
نیم کی ٹہنی لئے پھرتا ہے دوست — یہ نتیجے ہیں برائے پاپ کے

تاثیر دیکھیئے مرے بخت سیاہ کی — معشوق بھی ملا ہے تو الٹا توا سمجھے
کوہ ستم اٹھا دوں سو دل بار عاشقی — کیا اپنے جی میں جانتے ہو تم گدھا مجھے

اُس طفل خشت پخت کی تھی خشمگیں نگاہ | ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چور چور تھا
دشمن لپٹ کے بھول گیا مثل نان جو | شاید شکم شریف تمہارا تنور تھا
نارنگیوں سے بڑھکے کچوں کی بہار تھی | سینہ کسی کا باغچہ ناگپور تھا

جگنو کی چمک جالی کی انگیا میں نہیں ہے | مرغ دل سوزاں ہے تہ دام ہمارا

برق - اسم گرامی منشی جوالا پرشاد تھا قصبہ محمدی ضلع سیتاپور میں ۲۱ - اکتوبر ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۷ء میں ضلع کھیری میں انٹرنس کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہانتک کہ ۱۸۷۹ء سے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاکر ۱۸۸۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کرکے وکالت شروع کی - ۱۸۸۵ء میں بعہدۂ منصفی مامور ہوئے اور اسمیں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۶ مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضہ طاعون لکھنؤ میں جبکہ عہدہ جج خفیفہ پر متعین تھے انتقال کیا۔

گو کہ آپ اسم با مسمی اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرنے میں کافی کتب بینی کی تھی - اور خصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زباندانوں کے ساتھ ملتے جلتے رہے - منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ سابق پنڈت تربھون ناتھ ہجر - مرزا مچھو بیگ ستم ظریف - منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب خاص میں تھے - جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اُسیوقت سے اودھ پنچ میں نامہ نگاری شروع کی - اسی سلسلہ میں متعدد ظریفانہ نظمیں لکھیں - اکثر انگریزی ڈرامول کے لفظ بلفظ ترجمے اس خوبی سے کئے کہ باید و شاید - بنگلہ سے چار پانچ ناولوں کا ایسا

لائے بے خطا ہم کو تو اسکے آتشک نکلے　　رولائے جو ہمیں ناحق تو بیماری ہو رقت کی

دادا بزاخفش تھا باپ الو کا پٹھا تھا　　پرانا خبگلی ہے بو نہ کیوں ہو تجھ میں وحشت کی

تضمین بر شعر شہیدی

ٹنول مجھے تو بد ظن ہے اے بتِ گلفام　　تری قسم نہیں کرتا ہوں میں کسی سے حرام
لا کھلا کے مجھے سیر سیر بھر بادام　　پری اٹھی مرے پہلو سے بار ہا ناکام
فریفتہ ہوں ترے طرزِ دلربائی کا

براق - فرضی تخلص ہے مرے ایک دوست کا جو ضلع شاہجہاں پور کے ایک معزز
ہیں اور کہنہ مشق شاعر ہیں اسوقت سن شریف تقریباً ۴۵ برس کا ہوگا نہایت باخلاق
دہ دل یارباش اور وضعدار منکسر المزاج ہیں - مجھسے کافی مراسم ہیں - لیکن باوجود اصرار
آپ نے اپنا صحیح نام لکھنے سے مجھے منع کر دیا — واقعہ بھی یہی ہے کہ آپ کے دیگر
ات شاعرانہ کے سامنے ظریفانہ شاعری کا ذکر آپ کے لئے کچھ موزوں اور مناسب نہیں
وم ہوتا - مگر میں جانتا ہوں کہ آپ کا ظریفانہ کلام بھی بہت کچھ ہے - اور اگر مجھکو
سب کلام ملجاتا جو آپ نے مختلف اوقات میں کیا ہے تو شاید ایک بڑے ظریف کا اس
رہ میں اضافہ ہو جاتا - مگر کیا کیا جاے - کہ ان چند اشعار کے سوا جو میں نے آپ کی زبان
سنکر اپنی نوٹ بک میں درج کرلئے تھے اور کچھ بھی نہ مل سکا - شعر یہ ہیں -
محو دیدار ہر اک طرف دیکھنے والا ہوتا　　بھتے لہنگے میں کمر بند نہ ڈالا ہوتا

کل شب عجب خیال دلِ ناصبور تھا　　لہنگا کسی حسین کا آغوشِ حور تھا

ترجمہ کیا کہ میرے خیال میں ہر ناول ان کے واسطے ایک شاہکار ہے۔ رو ہنی۔ پرتاب بنگالی دلہن۔ مارہ اسٹین۔ مرنالینی۔ سب کے سب بیحد دلچسپ سلیس اردو کے ناول وہی بنگلہ ناولوں کے تراجم ہیں۔ میں نے اِن سب کو از اول تا آخر پڑھا۔ ہر ایک لاجواب ہے۔ مثنوی بہار آپ کی شاعرانہ مشاقی کی ایک زبردست سند ہے۔ ظریفانہ رنگ نظم و نثر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہم نثر کو بوجہ طوالت نظر انداز کر کے صرف بعض بعض نظموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ پہلے ایک مخمس ملاحظہ کیجیئے جو فارسی کے اس پرانے اور فرسودہ مصرع پر کہا گیا ہے ؎ اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند۔

کلاہ سرخ ترکی وا ایما بر سر نمی ماند ... ہمیشہ کوٹ و جاکٹ زیب زین بر نمی ماند
زمانہ بر یکے آئین اے تیجیر نمی ماند ... عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

براندی دائما در بوتل و ساغر نمی ماند ... چنیں بیدو چرٹ در دست دلبر نمی ماند
بیا ایں بوٹ انگریزی و فربر سر نمی ماند ... عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

چنیں اسپ دمریٹ بمیداں تا کجا تازی ... ہمیشہ گیند و کرکٹ ہمچو طفلاں تا کجا بازی
مزیب در بدن تا کے چنیں پتلوں بگو سازی ... عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

براندی تا بکے اتہ مانگو اے تیجری نوشی ... لباس جاکٹ و پتلون بے کھٹکہ چنیں پوشی
بہ رائج کردن ایں رسم لندن تا کجا کوشی ... عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

کنی گمراہ عالم را بہ ایپیچ زبوں تا کے ... بہ سرفرمن نمودن ایچنیں خبط جنوں تا کے
نمودن بول استادہ بمثل سگ کنوں تا کے ... عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

خوری تا چند مرغِ سر بریدہ را بدیں رغبت　　حرامے را نمائی از دلیلِ خویش چوں حلت

خرد می نالد اے نیچر بدیں عقل و بریں ہمت　　عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

بجائے سنگِ اسود دے لیٹی را بہ بوسیدن　　بوقت گیند کرکٹ امید ہر یک بیتاب گردیدن

چو قرآن و حدیث ای نیچری انجیل را دیدن　　عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

تو گوئی ذکر ایزد را کہ ہست آں خالقِ بیچوں　　کبوتر چوں بکا بک قہ می سازد غٹر غوں غوں

جبرئیل زداور دارا و تو بہ کن ازیں اکنوں　　عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

نظر پڑا ایک پیر نیچر نرالی سج و دہج نئی ادا کا　　جو عمر دیکھو تو سو برس کی یہ قہر دافت غضب خدا کا

سفید داڑھی یہ کالا جوتہ اور اسپر طرہ وہ سرخ ٹوپی　　بدنیہ جاکٹ گلے میں پٹی سی عالم اسپر ہے اک بلا کا

ہیں باتیں اسکی وہ سحر افسوں کہ سن لیں جسنے ہو وہ مفتون　　غضب کے فقرے ستم کے جملے اور اسپہ طرز بیان بلا کا

بہت دنوں تک کئے کرشمے طرح طرح کے دکھائے نخرے　　خدا کے بندے ٹھگے و دین و دنیا کو خوب لوٹا غضب خدا کا

ایک مرتبہ دکن کے قحط پر ایک مرثیہ عجیب طرح کا لکھا تھا جس کے دو تین بند لکھتا ہوں ؎

ملکِ دکن پہ قحط کی یارو چڑھائی ہے　　چاروں طرف سے فوج تبر کار آئی ہے

محتاج خاتون ہیں بجلی خدا کی دہائی ہے　　کالی گھٹا سی بھوک ہر اک سمت چھائی ہے

پھرتی امید وار ہوں خواہش ہے کام کی

آؤ سبیل رکھی ہے کنگلوں کے نام کی

آئی گھٹا سی ریل بھرے تھے امیدوار　　انڈی بلا کی فوج کہ منہ جنکے چار چار

پورب کے یار اور علیگڈھ کے سب سوار　　آتی تھی ہر طرف سے صدا الس پیا پیار

چہروں پہ جھریاں تھیں وہ پلکیں اڑی ہوئی
سمت جنوب سب کی تھیں باگیں مڑی ہوئی

اک اور گھیپ آئی کہ اللہ کی پناہ — اوبجے وہ انگر کھے کہ بھئی واہ واہ واہ
تیور سے آشکار کہ پیسو پہ ہے نگاہ — اسے نہ کچھ خیال بھی گو خلق ہو تباہ

بگڑے ہوؤں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا
مارا بدہ یدہ کا ہر اک سمت شور تھا

بحر طویل کہنے پر آئے ہیں تو انشا اور مصحفی کو مات کر دیا ہے ۔ ملاحظہ کیجئے

دوش رفتم سوے بازار ۔ کسے یافتم عیار ۔ زہر قید سبکبار ۔ بہ تزویر گرفتار ۔ ز خود رفتہ و سرشار ۔ سبک خیز چو رہوار ۔ تنش چوں تن زنبور ۔ سیہ خال رخ حور ۔ مثال شب دیجور ۔ ببر کوٹ و پتلون آ بدن شستہ ز صابون ۔ رخش زرد ۔ دلش سرد ۔ تن و جان ہمہ گرد ۔ نہ او صاحب ایمان ، ولے بندۂ شیطان ۔ نہ ہندو نہ مسلمان ۔ نہ از قوم نصاریٰ ۔ دَوَدُ ہر سمت بصد شوق گہے تحت گہے فوق ۔ گہے استاد و شاشید ۔ گہے جست و سرائید ۔ گہے ٹھوکر و سیٹی ۔ گہ چاء و گہے کافی و شمپین و برانڈی ۔ گہے بیر و کلارٹ ۔ گہے پاکٹ گہے جاکٹ ۔ گہے شیرے و گہے رم ۔ گہے نگبی گہے ٹم ٹم ہمیں فکر بہر دم ۔ گشتہ حرص و ہوا را ۔ گفتم اے ہمسر فرعون ۔ حرامی شدی ملعون ۔ کسے نیست چو یارت ۔ چہ بود آخر کارت ۔ ایں وضع کدام است کہ داری ۔ چوں شد ز خرد عاری ۔ شیشۂ تنگ شکستی ۔ در دانش بچہ بستی ۔ تو ئی دیوانہ و مدہوش ۔ رہ عقل فراموش بشر علم و ادب دور ۔ بہ مے گمرہی مخمور ۔ بگو نام و نشانت ۔ شوم آگاہ بجانت ۔ مکن دیر خدا را ۔ گفتہ عدوے ناموس ۔ بر دڈام بگر لوٹس ۔ ٹم آدمی ہے کالا ۔ یو ہو کا لتا لا ۔ من صاحب لو گیم ۔ فدائی بسر میم ۔ صاحب پلپلی نامم ۔ بجہاں شہرۂ عامم ۔ زر جو زم تو چہ دانی ۔ کہ نا قابل آنی ۔ بزنم ٹھوکر د تمیز ڈ ۔ ایڈو گڈ امیر شکنم روے شمارا ۔ گفتم اے صاحب او صاف ۔ مزن بیہدہ ہمیں لاف ۔ بہ بیں روے سیہ خویش

بنہ آئینہ درپیش - مشو طائر نقال - بزن مفت پر و بال - بجز لبیک مدہم کیک - بکن ہر کہ رہ نیک - بشو پیرو حسنات - برست از مزخرفات - بہ بیں صدق و صفا را -

---

بزمی - مرزا محمد اشرف صاحب بی - اے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا تخلص ہے - آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے شاگرد ہیں - بے حد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں - آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک ہوتی ہے - جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں - صرف ہزالی اور محض ظرافت کہیں نہیں ہے - بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے علیحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں - مگر یہ کلام ابتدائی ہے - اسوقت کا کلام موجود نہیں -

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ ‏ ‏ ‏ مے سے اچھی کب تھی توبہ

کعبہ گرجا اور بتخانہ ‏ ‏ ‏ گھر گھر جھانکی میری توبہ

واعظ کر لو گرمی گرمی ‏ ‏ ‏ ساون آیا ٹوٹی توبہ

آخر زاہد کی بیٹی تھی ‏ ‏ ‏ رندوں میں کیا ٹکتی توبہ

میری صورت دیکھی آئی ‏ ‏ ‏ سیرت دیکھی بھاگی توبہ

مولوی صاحب کیوں کر کرتے ‏ ‏ ‏ ان کی رو ٹی تھی بی توبہ

میں اور ایسا کام کروں گا ‏ ‏ ‏ توبہ توبہ کیسی توبہ

واعظ اب تو جاڑا آیا ‏ ‏ ‏ کسکی توبہ کیسی توبہ

لہری بندے ہی جو ٹھہرے ‏ ‏ ‏ آگئی دل میں کر لی توبہ

واعظ اپنا دل تو دیکھو ‏ ‏ ‏ ڈھتی خالی خولی توبہ

دیکھو بزمی اب بھی کر لو ‏ ‏ ‏ کام وہاں پر دیگی توبہ

بسمل - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیمک نامہ نقل کرکے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر اُس کے اور نہیں دیکھے گئے - میر تقی نے لکھا ہے کہ بسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے سنا تھا اُس وقت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا - اب خدا معلوم کہاں گیا - بہر صورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر منتخب کرکے لکھتا ہوں - میرا قیاس ہے کہ میر حسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اُس کے وہ پست شعر جنکا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے - کاش ہوتے تو لکھتا -

جب کہ دیمک کی فوج چلتی ہے | زلزلے سے زمیں دہلتی ہے
دیکھ لو تم بھی کرکے سراغ | مہ کے سینے میں دیمکوں کا داغ
ذرے کے دام میں نہیں خورشید | دیمکوں نے اسے کیا ہے چھید
ڈرے دیمک سے وہ جو پہنے شال | یاں تو اب کسکے خصیو نپر ہے بال
لنگکے زیر و لنگکے بالا | نے غم دزد و نے غم کالا

بسمل - ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی - نام و مقام بھی لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعر یاد رکھنے پر اکتفا کی نام دام سب بھول گیا اب شعر یہ ہیں -

چھپ رہ اگر علاج میخواہی | طلب وصل مہترانی کن
در شب وصل می پڑد جاڑا | یک لحاف است اینچا تانی کن
بہنس کم شیر مید ہد بسمل | از کھلی دہ بولہ سانی کن

بسمل - تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا - آپ پنجابی اخبار نویسوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے - اور نہایت ذکی و ذہین تھے - عرصہ تک

پنجاب پنچ لاہور کے ایڈیٹر رہے۔ اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے۔ ظرافت میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ ۱۸۸۱ء میں بعارضہ تپ انتقال کیا۔ کلام تلف ہو گیا صرف ایک ظریفانہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کیجاتی ہے۔ غالباً سابق جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابلی بر سر پیکار رہیں لو اور سنو — اُن کے اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو
جن کے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے — اُن سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ تھیلیا نہ تو ادرک نہ مصالح موجود — سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپ بھی — جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم ترے مولوی تھے آج طفیل سرکار — ننج میں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو
جیب میں نانے پڑے رہتے ہیں کل کے مدام — آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

بقا۔ شیخ بقاء اللہ خاں نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظ لطف اللہ خاں خوشنویس کے بیٹے تھے میر۔ اور سودا کے معاصر تھے۔ مگر دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اردو میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبد الغفور نساخ مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص نہ تھا بلکہ غمگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم یکایک کیا جی میں آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آ گئے تھے۔ یہیں میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔۔ اسی بنا پر انھیں ہجو کہنے کی ضرورت پڑتی تھی چونکہ خوشمذاق ظریف الطبع تھے۔ اس لیے انمیں ظرافت کا رنگ پیدا کر کے نئی روح پھونک دیتے تھے۔ میں بہت مہذب ہجووں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔

ایک مرتبہ میر تقی میر نے یہ شعر لکھا۔

وے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں   سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا

بقانے بھی یہ شعر سنا گمان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے سرقہ کیا اور میرے اِن دونوں شعروں سے یہ دوآبہ کا مضمون اڑا لیا۔

ان آنکھوں کا تت گریہ دستور ہے   دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابی میں   ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دوآبے میں

بس پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گر ترا مضمون دوآبے کا لیا   اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو
ایجدا میر کی آنکھوں کو دوآبہ کر دے   اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تر بینی ہو

اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا۔

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر   اسمیں ہووے جو نام شاعر کا
لیکے دیوان پکارتے پھریے   ہر گلی کوچے کام شاعر کا

ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے   بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی
کھول دیوان دونوں صاحب کے   اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی
کچھ نہ پایا سوائے اسکے سخن   ایک تو تو کہے ہے ایک ہی ہی

تھے ہم استادہ ترے در پہ دولے بیٹھ گئے   تو نے چاہا تھا کہ ٹالے نہ ٹلے بیٹھ گئے
آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں   اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

ان اشعار کے سوائے اور ظریفانہ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

ٹُبکائی - اودھ پنچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں - ۱۰ - اپریل ۱۹۱۵ء کے اودھ پنچ میں آپ کا یہ نوحہ - اس مختصر دیباچہ کے ساتھ درج ہوا تھا -

نوحہ رقت و خجالت افزا حسن اتفاق سے نوحوں - سوز دلوں - مرثیوں کی فصل - رونے رلانے کی بہار ہے چنانچہ بالفعل اپنی حسرتوں آرزوؤں کے قتل و کشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھیئے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہے کیا عجب تو کل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ ہندوستانیوں کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے -

چنگی کا میں حاکم تھا بہ الطاف الٰہی - ہے ہے مری شاہی
کرتا تھا میں ہیٹوں کی بڑی پشت پناہی - ہے ہے مری شاہی

افسوس عجب طرح کی آئی یہ مصیبت - ذلت ہوئی ذلت
چنگی کی حکومت گئی آپہونچی تباہی - ہے ہے مری شاہی

کرتا نہیں داروغہ صفائی مری عزت - یہ کیا ہے بغاوت
ٹھہری یہ حکومت ہے نہ نالی یہ الٰہی - ہے ہے مری شاہی

باری سے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج - اب یہ دیا چارج
بیکار رہی بیکار لگی منھ کو سیاہی - ہے ہے مری شاہی

یہ رنج کیا ضبط تو تپ آگئی مجھکو - اے میرے مجوّ
خون تھوکا جو بھائی نے تو وحشت ہے الٰہی - ہے ہے مری شاہی

اک بھائی کے دل پر تھے لگے تیر سے چلنے - لگا تیل ہاڈ ملنے
جب بورڈ میں جا نکلی ہوئی میری منا ہی - ہے ہے مری شاہی

کمبخت مجھے حمل ذرا راس نہ آیا - غیرت کو گھٹایا
کالا ہوا منھ بڑھ گئی قسمت کی سیاہی - ہے ہے مری شاہی

میںنے تو بہت چاہا رہے ممبری قائم - ہو بلکہ وہ دائم
قسمت ہی بری تھی کہ خدا نے نہیں چاہی - ہے ہے مری شاہی

میٹنگ میں تو سب ووٹ مخالف مرے آئے - غیروں کے سکھائے
دیکھا جو یہ چپکے سے ہوا گھر کو میں راہی - ہے ہے مری شاہی

سب ایک ہوئے اور اکیلا مجھے رکھا - فریاد خدایا
رو رو کے میں دیتا رہا گو تیری دہائی - ہے ہے مری شاہی

وقت آیا جو ایسا کہ کریں میری اعانت باقی رہے عزت
منھ پھیر لیا یاروں نے الفت نہ نباہی - ہے ہے مری شاہی

نیچا سر غرور ہمیشہ ہی ہوا ہے - آخر کو جھکا ہے
لی دو ٹکی میں نے تو لگی منھ میں سیاہی - ہے ہے مری شاہی

بلیغ - محمد ثناء الحسن نام ہے - مین پوری کے رہنے والے ہیں - زمانۂ حال کے ایک

خوش فکر ظریف شاعر ہیں۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں۔ مجھے اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر رنگ ظرافت میں ملے جو نمونہ کلام میں درج کرتا ہوں۔

هزاراں حرف نافر جام برایں ہمت عالی — کہ من مرغوبۂ خود را در آغوشِ دگر دارم
چو دستم شد حمائل گفت آں نازک مزاج من — بترس از من کہ یک خونخوار خنجر در کمر دارم
خوشا روزے کہ آں برخور آید در کنار من — بسا خربوزۂ و تربوز دارم نیشکر دارم
بلیغ بالغ بلغو بلاغت صرف کن اینجا — کہ ہر اہل بلغ گوید کہ من سوئیت نظر دارم

بلبلیلی۔ یہ مافوق العادت والفطرت تخلص پنڈت رام نراین صاحب شرما کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے ظریفوں میں ہیں۔ علمی قابلیت کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے۔ ہندی خط میں غزل لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہتے ہیں بدقسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل مل سکی جو انتخاب کرکے درج کرتا ہوں۔

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے — دیگ میں دیکھا تو بس کفگیر ہی کفگیر ہے
وائے قسمت میرے نسخہ میں رقم انجیر ہے — چارہ گر اتنا نہ سمجھا عشق کی تبخیر ہے
عقد رندانہ میں عبث حجت ہوئے واعظ تجھے — دخت رز ہے نور چشمی یا تری ہمشیر ہے
ہو ازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام — نجد کیا اے قیس تیرے باپ کی جاگیر ہے
ایک مکتب میں پڑھے ہیں اور ایک ہی استاد سے — بس اسی رشتہ سے لیلی قیس کی ہمشیر ہے
اے بلبلیلی میں اپنے فن پہ کیوں نازاں نہ ہوں — مضحکہ انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

بندر ریع۔ عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار اودھ پنچ سابق کا جس کے

لفظ لفظ سے شوخی ٹپکی پڑتی ہے - ایک نظم جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے - وہ لکھکر حضرت بندر یہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں کہے ہیں - گویا مصرع طرح یہ قرار دیا گیا ہے - ہمچناں از طویلۂ خر بہ -

دست خالی ز کیسہ پر زر بہ | بد نمائی بحال خوشتر بہ
از ہمہ ارزلاں یورو پین | پایۂ ہندیاں فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان | از رہ مستقیم چکر بہ
ابلہے ہم بکار می آید | خر عیسی بحال خود خر بہ
وضع خوش اختیار باید کرد | ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
تا نہ گردن کنند پیمائش | خاکساری شمار احقر بہ
ہمچل خواب را نمود نیست | نو بود خواہ کہنہ چھپر بہ
قند زنگی ز نیشکر آید | چوں شکر ہمیدھر چقندر بہ
مفلسا نیم در بساط حیات | اسپ اگر نیست مہرۂ خر بہ
خرس روسی و شیر جاپانی | جان پل چوں غزال اصفر بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را | ایں چنیں ذکر عیش اکثر بہ
چیست مردی زمانہ انگریزی | تیغہا در نیام خنجر بہ
چوں یکے اہل فارس شعر شنید | ہنسکے گفتا کہ اور خوشتر بہ

بو اسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے - اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا - جس میں اس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے - چنانچہ میر جعفر زٹل بھی انھیں کے ایک ہونہار

شاگرد ہیں۔ میر صاحب اور ابو اسحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو بجلنسہ درج کرتا ہوں۔

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجۂ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس لیے جب شاگرد کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ایکدن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے۔ میر جعفر زٹل نے غور سے اُن اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں۔ مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ رہے پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کہ ان سے تو اور مذمت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت ڈانٹا۔ چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی بیوی کو شامت اعمال سے بخار آگیا۔ مولوی کا زور بچوں پر ختم ہوا کرتا ہے۔ یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑچڑے ہو رہے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کیا لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زٹل سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی شان میں کچھ لکھو۔ جعفر کو یہ فرمائش پوری کرنا پڑی اور بہت بڑا نامہ جو ابتک انکی کلیات میں ہے لکھ ڈالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

درد پڑھ ناد علی راکش و بیتال کو باندھ — درد پڑھ ناد علی جن و گرولال کو باندھ
درد پڑھ ناد علی بھیرون گھڑیال کو باندھ — درد پڑھ ناد علی بھولوں کے سربال کو باندھ
درد پڑھ ناد علی بے خرد تجال کو باندھ

ہو بیدہ سے باہر تو اسے چھوڑ کے چل جا — باندھونگا عیث بھاگ مرے آگے سے ٹل جا
کر اور کسو آدم و حیواں پہ عمل جا — آ تو بھی کہا مان شتابی سے نکل جا
بسم اللہ و الحمد کی برکت سے نکل جا
یا شیشہ میں ہو بند دیا آگ میں جل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی ظرافت میں صرف مزے دار طرح طرح کے کھانوں کا

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے اِن کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہو گیا تھا
اِن کا کلام بہت تھا مگر اب کمیاب ہے۔

من آں نیم کہ ز علو احسان بگردانم — کہ ترکِ صحبت شیریں نہ کار فرہاد است
کسے بجوہر یکدانہ نخود نہ رسد — کہ قفل حقہ کیسہ بپاچہ بکشا داست
دگر مگوے کہ نان تو عروس سفرہ ماست — کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است
نوشتہ است زروغن بچہرۂ حبشی — کہ ایں سیاہ زبان زعفراں آزاد است
چہ می بری اسے کاسہ لیس بر بسحاق — برنج زرد و عسل روزی خداداد است

بہ پیشم در سحر گاہاں گر آری صحن بغرا را — ببوے نیکوش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آہوے فربہ اگر داری غنیمت داں — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
جمال برہ بریاں و حسن دنبۂ فربہ — چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
چہ آرائی بمشک و زعفراں رخسار فالودہ — بہ رنگ و بوے و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را
بگو بسحاق وصف خوشہ انگور شغالے — کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

نمی گردم ز ذکر قلیہ حنائی — بہ شکر بور قمی فی کل حال
سحر بر خیزم از بہر ہریسہ — و من طلب العلی سہر اللیالی
درون رشتہ آں خورشید شلغم — کان الشمس فی جوف اللیالی
جواز ہم میدرم مرغ مسلّم — فما ادری یمینا عن شمال

بوبک ایک بیاض قلمی میں بوبک بڑھانوی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اور نام
وحالات وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڑھانہ

بوم - شیر محمد خاں نام ہے - ہاپوڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چپراسی ہیں - متین کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم - چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے - مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا خاصہ نام پیدا کر لیا - اکثر ان کی ظرافت فواحشات کی حد تک پہونچ جاتی ہے - چونکہ خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے اندازِ کلام پر رکھتے ہیں - اب سنا ہے کہ میخواری اور عیاشی میں پھانسکر کچھ غبن وغیرہ کیا اور اُس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں - اِن کے شعر جو ظرافت کی حد میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں - مگر افسوس کہ میرے پاس ان کا کلام نہ پہونچ سکا - اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کسی طرح کامیابی نہ ہو سکی - اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاپوڑ کے کئی احباب کو لکھا مگر جواب نفی میں آیا - چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں - اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس کی ہو گی -

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھدر پر چار کر رہے تھے - اُسوقت گاڑھے کی قیمت اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی - اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر بوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے چند اشعار جو ہمکو مل سکے لکھے جاتے ہیں -

پہلے سے نہیں مفلس و محتاج جلاہے — اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناج جلاہے
لیڈر تو گئے قید میں اک راج کی خاطر — بیٹھے ہیں دبائے ہوئے سوراج جلاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہو گئی — اچھی خاصی اِن جولاہوں کی کمائی ہو گئی
ہو ترقی کسطرح ملبوسِ کھدر کو بھلا — چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہو گئی

ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہوں گے - ان کے جسقدر شعر ہیں بڑھاپے کی مذمت میں ہیں یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنساتی بھی ہے اور رولاتی بھی ہے - اغلب کہ پوپک نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہے - ظلم و ستم سے چیخ اُٹھے ہیں - وہی شور وہی ہائے واویلا پیدا کر کے موزوں بنی ہے اور شاعری بنکر رہ گئی ہے - اگر یہی بات ہے تو پوپک تخلص بہت ہی موزوں ہے - کریا کے بعض بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تضمین کیا ہے - ان کے اکثر اشعار متانت اور سنجیدگی سے دور ہیں - اسی لئے اُن کو نظر انداز کر کے ہم چند ظریفانہ شعر نقل کرتے ہیں -

جب دانت گرے اور بڑھی بالوں کی سپیدی   شوہر کی جگہ کہتی ہے جورو مجھے گیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں ہمت پست   گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی مست

کبھی نزلہ کبھی زکام اور دست   خوے بد در طبیعتے کہ نشست

نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا   کریما بہ بخشاے بر حال ما

کہا کر یہ جورو سے اے بوالہوس   نداریم غیر از تو فریاد رس

یہ کہتی ہے جورو ہمیں برملا   کہ ہستی اسیرِ کمندِ ہوا

وہ بولی جو ہم نے اشارا کیا   نگہدار مارا ز راہ خطا

میں کہتا ہوں اس سے کہ اے فاحشا   خطا در گذار و صوابم نما

لڑیں وہ عروسی کی شب رات بھر   کبھی مارے گھوسے کبھی ٹپکا سر

بنایا کبھی مجھکو اپنا پدر   تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر

تکبر مکن زینہار اے پسر   کہ روزے ز دستش در آئی بسر

کیا کہوں شوقِ ہوس نے مجھکو اندھا کر دیا ۔۔۔ کیا خبر ہے بیخودی میں میں نے کیا کیا کر دیا
کیا ذرا سی بات تھی جسکا فسانہ کر دیا ۔۔۔ میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے دعویٰ کر دیا
خود ہوئے بدنام اور مجھکو بھی رسوا کر دیا

کہہ دیا دامن پکڑ کر صاف میں نے اُنسے آج ۔۔۔ کس لئے رکھا ہی سر پر یہ مسیحائی کا تاج
پوچھنے کے واسطے آئے نہ تم میرا مزاج ۔۔۔ ہو نہیں سکتا جو تمسے دردِ فرقت کا علاج
تمکو کس الّو کے پٹھے نے مسیحا کر دیا

رہگیا تھا میں ہی کیا پٹنے پٹانے کیلئے ۔۔۔ کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلئے
اور تو ایجان تھا سب گھر میں کھانے کیلئے ۔۔۔ صرف ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلئے
مارے گھونسوں کے مری بیوی نے بھرتا کر دیا

ٹھرنے دیتا نہیں یکجا اُسے دورانِ سر ۔۔۔ یہ کبھی اس شاخ پر بیٹھا کبھی اس شاخ پر
دیکھ لو خالی نہیں جاتا تخلص کا اثر ۔۔۔ بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سر و پا کی خبر
شاعری نے اب اُسے الّو کا پٹھا کر دیا

نہ مل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد ۔۔۔ ہوا ہے تجربہ یہ مجھکو بیحد
اگر جوتے اُسے گا رد کا گارد ۔۔۔ زمین شور سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضایع مگرداں

....

بھسنٹ ایک شاعر کا مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلام مل سکا درج کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا ۔۔۔ ہٹ تری دُم میں سوت کا دھاگا

جب ناچ دیکھنا ہوا منظور یار کو | فوراً سب مجھے مداری کا بکرا بنا دیا

خطاؤں پر مرے اکثر عطا کرتی ہی جاتی ہے | مری بیوی برابر مامتا کرتی ہی جاتی ہے

دنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا | اب اپنی بیوی کو میں تمبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے رات دن کمبخت عادت ہو گئی | کوئی ترکاری نہیں بھاتی ہی بینگن کے سوا

والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی | سیدوں کے پاس رہ کر مجھکو سید کر دیا

پوچھتے ہیں نام بھسنٹ تمسے لوگ | کہہ بھی دو الّو کا بچّا نام ہے

دی ایک چلکت ایسی گالوں سے لہو نکلا | وہ بھوتنی والا تو میرا بھی گرو نکلا

....

اپنی لوٹی پہ نام لکھتا ہوں | کھوپڑی کا فقط بجانا ہے

جسمیں تھے ہم عدم میں اے بھسنٹ | اک بڑا وہ بھی کارخانا ہے

وہ مری قطع دیکھکر بولے | یہ تو مسجد کا کوئی ملّا ہے

جام جم میں نے بار ہا دیکھا | کھوپڑہی سے مری نہیں ملتا

چوٹیں کرتا ہوں خوب لوگوں پر　　پھر بھی جوتا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو ہوں نہیں اور نہ کوئی چور ہوں نہیں　　حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں　　جب سے دنیا نے گوشمالی کی

میری بیوی بچہ کش ہے اور میں ہوں پرچہ کش　　میں مہینہ میں نکالوں وہ دو نو ماہ میں

بیڈھب - ایثار علی نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں شفقی قمر بدایونی کے شاگرد ہیں نوجوان زندہ دل ہیں ابھی کلام سے نومشقی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے تو شاید کسی وقت اچھا کہنے لگیں ایک مجموعہ نقد ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جسمیں زیادہ تر بیڈھب کا اور باقی اُن کے استاد بھائیوں کا کلام ہے۔ پورے مجموعہ کو پڑھکر چند شعر انتخاب کیے گئے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی معمولی سے زیادہ نہیں ہیں۔

حمد خدا میں بیڈھب زور قلم دکھانا　　ایسا ہے جیسے چھپر افلاک پر چڑھانا

اک آہ آتشیں میں ڈبل کام ہو گیا　　اُن کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا

دو سیر باجرے کا ملیدہ اُڑا گئے　　لالہ کا پیٹ کیا ہوا گو دام ہو گیا

بہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا　　جو والف کہیگی وہ بیتاک کروں گا

نہ ہوگا اگر تم سے میرا مداوا　　تو میں ساتھ اپنے تمہیں لے مروں گا

اگر آپ دل مجھکو واپس نہ دیں گے　　تو بس آج سرقے کا دعوی کروں گا

اگر سخت جانی مری کام آئی　　تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

گدھا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمھارا — بس اب آج سے خط کا سبزہ چروں گا
اگر ساس نے مان لی میری بڈھب — تو میں بیاہ سے قبل گونا کروں گا

ہمارے بس میں اس صورت سے وہ عیار ہو جاتا — کہ تھانیدار ہم ہوتے وہ چوکیدار ہو جاتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک زنانا — اب کے جنم میں یارب عورت ہمیں بنانا
اس راگ پر ہو لعنت ہے یہ بھی کوئی گانا — تادیم دیم درنا تا دارہ دیم تانا

کیا وہ ہرجائی مجھے ڈھونڈھے گا جو کبھی — ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
بار ہا بیٹھ گئے ہار کے چنگی والے — راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا
عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن — آجتک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا
کوئی انسان ہے بے مہر کہ طاعون ہے تو — کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — گیس کا ہنڈا تھا بیڈھب تمہارا دل نہ تھا

قحط کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہونا — ضعف آنتوں کو سکھاتا ہے سویاں ہونا
آخر وقت ہر اک چیز مزا دیتی ہے — قابل قدر ہے آموں کا بھدیاں ہونا
یہ بھی مذہب ہے کہ نا گت میں تو رہنا پنڈت — اور کھچڑے کے دن آئیں تو مسلماں ہونا

قحط میں کیسا جھمیلا عید کا — پھنس گیا دلدل میں ٹھیلا عید کا

مفلسی اسپر یہ برخورداریاں — عرس افطار اور میلا عید کا
ہیں یہ جبے اور یہ لندن کا بوٹ — شیخ جی ہیں یا بھنڈیلا عید کا
عیش کا ٹٹو تو لدکر چلدیا — رہگیا خالی طویلا عید کا

دل میں اتراتے ہو کیا غیر کو اپنا کہکر — ہوش میں آؤ کریلا کہیں میٹھا ہوگا
دل لگانے کی مزا اب مجھے کیا دینگے — قید ہوگی کہ ضمانت کہ مچلکا ہوگا
سود پیری کا بڑھا جب عمر کی نقدی کیساتھ — ہوگیا نیلام اُن کے حسن کی دوکان کا
تنگدستی کا یہی عالم رہا بیڈھب اگر — عید کے دن بھی مزا آجائیگا رمضان کا
رات یہ اندھیر کیا بزم بت پرفن میں تھا — غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ترقی کے زمانے میں ہیں ایسی گھٹی کیوں ہو — خدا ناخواستہ جورو ہماری بے پڑھی کیوں ہو

جو نہ شوقین ہو ایسا نہیں دلبر کوئی — پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی
جناب دل نے جو انھیں ٹانگ پکڑکر کھینچا — وہ یہ سمجھے کہ ہے تپائی کے اندر کوئی
پہلے معشوق انھیں لوگ کہا کرتے تھے — اب تو چپ چست کوئی کہتا ہے مچھندر کوئی
بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے — ناز اٹھواؤ گے تم اُنسے کہ چھپر کوئی

بیکس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے ہجو گوئی اور ظرافت میں یدطولیٰ حاصل تھا مگر آج دستبرد زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو غالباً میر ماشاءاللہ اور میر انشاءاللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے اُن کے زمانہ کا اندازہ کیجیے

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاءاللہ — سب کہتے ہیں زیادہ ہونگے انشاءاللہ

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ　　لاحول ولاقوۃ الا باللہ

بیگم ۔ تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا پنجابن تھیں جو واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتزاع سلطنت کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتے چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو تذکروں میں ملتے ہیں درج کیے جاتے ہیں۔

نہ بھیجوں گی سسرال میں تمکو خانم　　نہیں مجھکو دو بھر ہے کھانا تمھارا
میری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو　　یہ احساں ہے سر پر دگانا تمھارا
ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا　　تو پھر سنگ ہے اور شانا تمھارا

گھر سے گانہ کے دگانا مری مہمان گئی　　میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

حرف بائے فارسی

لالہ پاگل داس اودھ پنچ کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ۱۹۰۵ء کی لکھی ہوئی ایک قصیدچی مجھے بھی مل گئی زبان وہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا۔ چندہ کی مذمت میں غالباً یہ شعر کہنے کی زحمت فرمائی ہے۔

ہمنے دیکھے تھے گدایانِ مسلمانے چند	چشم دل سے جو نگہ کی تھی بمردانے چند
شاغل و زندہ دل و راہ حقیقت آگاہ	بس وہی عاشقِ اللہ تھے شاہانے چند
خدمت قوم میں مصروف سدا رہتے ہیں	ہیچمہ شبلی ہوں و یا مہدی علیخانے چند
رات دن اُن کے لئے شغل عبادت ہے یہی	زرد پوشاک کے اُن کو نہیں ارمانے چند
ایک چھن ماں وہ فقیر ونکو بنادیتے ہیں شاہ	آسمانپر بھی نہیں اُن کے سے پاکانے چند
گو کہ چھپٹی کیطرح سے ہے یہ بندلال ضعیف	اس کے رتبے کو کہاں پہنچے ہیمانے چند
دلِ احقر میں یہ آوت ہی شب و روز مدام	ترک الکدم سے کروں نیا و ایوانے چند

پہری جھمن نامے ایک شخص دہلی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو ریختی کہنے میں مشاق تھا شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیا (جو دلی کے ایک مشہور شاطر تھے) سے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرۂ گلستانِ سخن میں لکھا ہے کہ نوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چالیس پچاس برس اُدھر اُن کی شاعری کا دور دورہ ہوگا۔ کلام کہیں یکجائی صورت میں نہیں مل سکا تین شعر گلستان سخن میں ملے۔ اور دو سخن شعرا میں۔

دنیا کے مردوے مرے اور پرند ہوے مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوے
اب کے تو مردوے ہیں دغا باز بیوفا اگلے تماشبین خدا جانے کیا ہوے
دن کو ہی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں در گور مردوے مرے روزے قضا ہوے

شاہ پنچھا - ایک آزاد لا ابالی فقیر منش آدمی تھا - دہلی میں قیام تھا - وضع یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا - جہاں بیٹھتا تھا - وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا ظاہر ہے کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا - میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر اُن کا نقل کرتے ہیں -

دل مرا گرد لب یار کے منڈلاتا ہے یہ شکر خورہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

پیٹنیٹ سابق اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ظریف بذلہ سنج کا تخلص ہے جو غزل ذیل کی ہے وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں - ملاحظہ ہو - اودھ پنچ مرحوم کے نام لکھتے ہیں -

ڈیر پنچ آجکل آپ کے اخبار میں اُردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اینجانب بھی غدر سے پہلے شاعر تھے اور پھر بھی بوقت ضرورت بازآمد بندۂ بگر یختہ شاعر ہو سکتے ہیں لہذا اپنی رائے زریں سے آپ کو محروم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے - سنیئے جناب بندہ اور ذرا گوش ہوش سے سُنیئے اردو شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت کا مادہ نہیں - اعتراض کسیقدر صحیح معلوم ہوتا ہے - ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شعرا نے صرف چند اعضاے انسانی لے لئے ہیں - جن کا فراق اور وصال میں دُکھڑا رویا جاتا ہے - ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے - یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس عشق کو حس نہ کرے جو سر سے پیر تک مخلوط ہو جاتا ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل و جگر

آنکھ سینہ پہلو کا لگاتار سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادہ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دیئے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہیئے۔ اس عمل درآمد کے بعد نیچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جائے گی۔ بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعران رنگیں بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اُڑا لیجائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پیٹینٹ ہے تتبع اور تقلید کی اجازت عام ہے۔

اب میں وہ غزل جو واقعی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے

گردوں نے دردِ عشق میں آفت مچائی ہے
تلی غمِ فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں
آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

تارے گنا کیا ہوں پڑا چت شب فراق
اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوشِ یار تک
سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں
لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

تصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں
کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے
پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

پیام۔ نام شرف الدین علی خاں تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی اُردو کے شعر بھی

کہہ لیتے تھے۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے تھے۔ اِن کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور اور ذی وقار شاعر تھے۔ ایک دیوان اِن سے یادگار ہے مگر نایاب ہے۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف تا قرشت

تبسم - مرزا عالیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریف لکھنوی کے شاگرد ہیں، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں فوٹوگرافی کی دکان ہے۔ چند شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ راقم نے ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی تعارف نہیں ہے۔

مرگیا جو وہ کوئی عاشق فرضی ہوگا
جسپہ مرتا تھا وہ معشوق خیالی ہوگا

آدبوچا جو مرے طائر دل کو اُسنے
نازِ اُس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا

کچھ قرابت تو زمانہ میں ہر اک سے ہوگی
کوئی سُسرا کوئی سالا کوئی سمدھی ہوگا

خال رخسار اڑا دیتا ہے گر ہوش حواس
عارض اس شوخ کا بارود کی کاتی ہوگا

در غلطاں شعرا دانت کو جب کہتے ہیں
تو یقیناً دہن یار بھی سیپی ہوگا

غل مچائے جو کسی کوچہ میں شب کو ہر روز
سچ تو یہ ہے کہ وہ عاشق نہیں [illegible] ہوگا

بیگناہوں کو دیا کرتا ہے جو قتل کا حکم
یار کا ہے کو جونپور کا قاضی ہوگا

جسکو لے لے کے مزے کھاتے ہیں انکو عاشق
غم نہ کہئے اُسے وہ آم کی چٹنی ہوگا

کوہکن سے یہ کہا کرتی تھی آکر شیریں
دب گیا گر کہیں پتھر سے تو بہ پچی ہوگا

تجھپہ ہو جائیگا ظاہر وہ کسی روز ضرور
عشق کچھ چور نہیں ہے کہ چھپا مخفی ہوگا

جس میں تہذیب نہ ہو وہ ظرافت مہمل
حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ ہی ہی ہوگا

یاں یہ حالت ہے کہ ہم میں تاب ضبط غم نہیں
وہاں سوال وصل پر کہتے ہیں وہ بھی ہم نہیں

ساقی گریز کرکے میں یا نسے ہنگیں ہیں | گر لڑکھڑا گیا تو ہیں گر پڑ ہوں

پردہ سسٹم کے مخالف ہو جو لیڈر صاحبو | پہلے اپنی بیگموں کو لیڈیاں ہونے تو دو
پاک ہو جائے گی سب دبہلے راہ عشق | صاف تم اپنی گلی کی نالیاں ہونے تو دو
انڈے بچے گھر پہ جاکر دوگے کیا فخر ہما | آشیاں ترقی سے جاناں اذاں ہونے تو دو
آٹھویں دن ترک الفت دور از انصاف ہے | اپنے عاشق کو ذرا نوشیرواں ہونے تو دو
اے تبسم خون پانی ایک ہو جائیگا پھر | شیر خوار ہے ابھی قاتل جواں ہونے تو دو

تپش تخلص تھا مرزا محمد اسماعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گو انکے آباواجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔ کبھی کبھی شستہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ۱۸۱۲ء تک بخیر و عافیت کلکتہ میں موجود تھے اُردو کی متعدد کتابیں۔ بہار دانش شمس البیان ضرب الامثال انکی تصنیف میں۔ اگرچہ ان کی ظرافت اُس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض ظرافت کہا جاسکے مگر اچھے مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا | یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمھاری رات
نہ تیغ چل سکی مجھپر تو منفعل ہوکر | لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہی بندھا تعویذ
میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تمسے التماس | کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے
غصہ اٹھا اٹھا کے یونہی بار بار کا | اے دل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا۔

شیخ کل میکدے میں بیٹھا تھا | آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی۔ کے عرف سے معروف تھے۔ میر تقی کے بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ مصنف سخن شعرا اور گلشن بےخار۔ دخمخانۂ جاوید سب اسبات پر متفق ہیں کہ یہ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے مگر افسوس کہ کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران اور نقل محفل بنجاتا پھر بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے تو کچھ کلام ایسا ملجاتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں۔ سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رہے تو وہ ہے جو رو دکھتا تھا ۔۔۔ اکسی اسکے پاؤں تک سر بے آرزو پہونچا
ہوا گستاخ اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا ۔۔۔ کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو بازو کبھو پہونچا

کر گلے شکوہ کو موقوف میاں بس چپ رہ ۔۔۔ میں بھی بولوں گا تو ناحق تو خفا ہووے گا
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میری جان ۔۔۔ دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

تصور۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلف میر صفدر علی خاں باشندۂ بنارس کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت میں زندہ تھے۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان ریختی میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے معذوری ہے۔

تمکین۔ مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع بیر بھوم خلف مولوی غلام رسول خاں

متخلص بہ تحسین کا تخلص تھا۔ مولوی عبدالغفور نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے مولانائے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر ریختی کہتے تھے مگر افسوس ہے کہ کچھ نمونتاً بھی کچھ کلام ریختی نقل نہیں کیا۔ مجھے صرف ایک شعر مل سکا ۱۲۸۸ھ میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

بوا کتنے ہرجائی یہ مردوے ایں | کوئی نوچ یوں اِن کے نخرے اٹھائے

توتی ایران کی ایک مخدرہ عصمت مآب کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین سنجر قزوینی کی شاگرد تھی۔ ظریفہ تھی اور کبھی کبھی تفنن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہہ لیتی تھی۔ اگرچہ کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرۂ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طلب ہے نقل کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اِن کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ توتی بیچاری اُن کی اس غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انپر کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہوکر اُن کو یہہ رباعی لکھ بھیجی۔

آن شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش | یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم | تو با کونش بساز و من با کیرش

تونی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی میر نظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں اکثر مطارحہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اِن کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم بیرہ زنے کشت مرا | کاواک شدہ چونے از ولشت مرا
گر پشت بسوے او دمے خواب کنم | بیدار کند بضرب انگشت مرا

تونی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔

ہم خوابگی سست رگے کشت مرا | روزے نبود از دلجز پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت　　بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

جواہر العجائب میں بجائے اس کے یہ رباعی ہے۔

ملا ہمہ ناز و غمزہ اے گشت مرا　　تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا

شبہا ہمہ پشت سوے من خواب کنی　　بگزار کہ واگرفت از پشت مرا

حرف تائے ہندی

ٹٹیری۔ کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر اُن کی طبع وقاد کے دریاے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہدیۂ پیش کرتا ہوں۔

جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں | جب وہ جاتے ہیں میں ہنس پڑتا ہوں
غیر سے رہتی ہے الفت مجھکو | اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں او ظالم مری نکسیر چلتی ہے | مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص ہے۔ موجد پٹینٹ کی غزل پر خمسہ کہا ہے۔ اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج کی ہے۔

پنچ۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضافاتی بھیڑیا دھسان اُلٹی کھوپڑی کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان میں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع بصیر دے گا۔ تو شعر کا مذاق تا بقاے حیات کیوں چھوٹے گا۔ رہا یہ جھگڑا کہ اردو سے ماضی میں شاعری کیجاوے یا حال و مستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں مرکتی دور کیوں جائیے ہمارے عنایت فرما موجد پٹینٹ کو ملاحظہ کریجیے کیا غزل بے بدل لکھی ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

ارمغاں سمجھنا چاہئیے - ماضی کی شاعری سے تجاوز کرکے ....

حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کردیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے - اور اس سے بھی اگر اُن صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرط درخواست مستقبل شاعری بھی ہم کر سکتے ہیں - اگر صحت وسلامتی دمساز رہے تو کسی آئندہ نمبر میں بے درخواست بھی شاید کوئی حصۂ نظم نذر ناظرین کردیں - میں موجد پٹینٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور تائید میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں - دوسری حیثیت سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جلکر خاک ہو جائیں گے غزل بے بدل پر حاشیہ لاجواب یعنی خمسۂ دنداں شکن یہ ہے -

شہ رگ یہ دمبدم مری گردن ملتی ہے — دیوانگی کی نہر شب روز ابلتی ہے
گھٹی میں جو پڑی وہ محبت نکلتی ہے — معدے میں آگ عشق بدستور جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی رے سینہ میں چلتی ہے

ٹخنوں میں درد ہو گیا وہ خاک اڑائی ہے — ایڑی ہے پاش پاش یہ اپنی کمائی ہے
ہر نرخرے میں دم کہ حلق میں دہائی ہے — گردہ [illegible] درد عشق میں آفت مچائی [illegible]
تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

انگڑائی لیکے توڑا ہے حرماں کا آسرا — بخت سیہ کا سکیے جما ہی کیا گلا
اُچھو ہوا تو سمجھے کہ نازل ہوئی بلا — چھینک آئی ہے ہمنے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

صبح شب فراق میں اللہ کی مار میں — ہے دوپہر تو لوٹ رہے ہیں بخار میں
الغرض ہما کہ شام ہوئی انتظار میں — کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں
آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

بیمار غم کا حال ہوا سو کہ سا کہ قاق — یہ حسن اتفاق ہے یا سوئے اتفاق

آیا جو چارہ گر تو بتایا مجھے مراق　　تمارے گنا کیا ہوں پڑا ہے شہ فراق

اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

خط کا شمار کیا کہ دئے ہمنے تار تک　　قرآں بھی بھیجے ایک سے سو تک ہزار تک

ملنا نہ تھا ملا نہ انھیں گھر میں بار تک　　دانتوں کا دسترس نہوا گوش یار تک

سچ ہے کہ بد نصیب کی کب دال گلتی ہے

بیمار غم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں　　وہ رونقیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں

جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آزما ہوئیں　　شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں

لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی ہو ساری ہیں داغ ہیں　　جو رنگ تیرے مسے ہیں وہ دلکے داغ ہیں

یہ اچھی سوجھی عقل کے روشن چراغ ہیں　　تصویر یار ہمنے لگائی دماغ میں

کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے ہر زکام برابر علاج ہو　　گرمی میں ہو بخار خنک احتیاج ہے

چپ ہو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے　　برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہو

پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

ٹیسو پرشاد - ادھر پنج سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم (ہندوستان کا بھک منگا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی نہ بردستیوں کی ایک تصویر ہے۔

بازاری لڑکے　　آے آے جم جم آئے　　پنج دوارے ٹیسو آئے

پنج بہادر کہاں ہیں آئیں　　ہری الیج گرج سن جائیں

پانچ
اتنا کیوں چلاتے ہیں — آتے ہیں بھئی آتے ہیں

ٹیسو
آج بات یہ ہم نے ٹھانی — لا بہ ہوئی ہمکا یا ہانی
تنک تنک ہم بات بتئی ہے — رتی رتی حال سنئی ہے

ہندوستان
ٹیسو سارا بہت ستائس — گھر ہیسے بھیک منگائس
بھکمنگی ماں عمر گنواوا — آدھی دمڑی جو ہم پاوا
ایس بجوگ پڑا کچھ آن — چندہ چھین لہس جاپان
کہو کہاں سے اب ہم لائی — دوسرے کی جو لگی بجھائی
جھنجی کوڑی گھر ماں ناہیں — کہو کہ کہہ کی کھیر منائیں

ضرورت
کہدو بہت نہ شور مچائیں — اور کسی کے دوارے جائیں
اور کسی سے بات بنائیں — جہانسے بنے وہاں سے لائیں

ہندوستان
پنچ بہادر سنتے ہو — سنتے ہو بھئی سنتے ہو

بازاری لڑکے
پنچ بہادر چیتے ہیں — دیتے ہیں بھئی دیتے ہیں

ٹیسو
جھنجھیا ہمری بڑی بکھانی — جہا بیٹی بی بی رانی
رانی نخرہ کرتی ہے — جن مارے وہ مرتی ہے
جو کوئی دوارے جاتا ہے — ٹیسو کو وہ سمجھاتا ہے

راجہ سب کی سنتا ہے — روتا ہے اور کہتا ہے
عقل گیان سبھی کچھ ہری — کہو تو جھوٹے کچ کچ کری

بازاری لڑکے — کھیلو کودو جانے دو — مرتی ہے مرجانے دو

ضرورت — پنج دوارے سے کالا یو — ہچ سچ کہو کا پایو

ہندوستان — ہم کا ملی نہیں اک پائی — کا جھوٹے لیکھا سمجھائی

ضرورت — اچھا اچھا دیکھیں گے — دیکھیں گے پھر دیکھیں گے

ہندوستان — اے بدہنا ہم کا گن کینا — ہمرے کرم ماں کا لکھدینا
یاہی دیکھا کرم کا لیکھا — جاسے بھینٹ بھئی دکھ دیکھا

حرف ثائے مثلثہ

ثریا۔ جمعیت علی نام تھا۔ جھجر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ غدر سے پہلے زندہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی پیشہ تھے۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے کلام کا شہرہ اکناف ہند میں پھیلا اُسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی گوئی کی طرف ہو گیا اور چند ہی روز میں بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے جاتے ہیں۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمے کی کس کو دُھن نہیں
اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھو نبجھتی کو جلاتی ہے سدا دہ جلیبے
میری سوتن کے کبھی یونہی آگ لگ جائے
دن گزارا تھا جہاں شب کو بھی رہتے ہا ہا ہیں
ہانپتے کانپتے کیوں رات کو بھاگے آئے
شام سے سوتے ہے منھ پھیر کے مُردوں کی طرح
آئے تو گھر میں کبھی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچنا لاڈ د تو نہ زنہار کہیں
کنواریاں خود تو بساتی نہیں گھر بار کہیں
اُن کو آنا ہی تو آجائیں وہ گھر ہے اُن کا
مجھکو کیا کام ہے جاے مری بیزار کہیں
آجکل کنواریاں بیگم بڑی چھتیسی ہیں
منگنی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اقرار کہیں
دنکو ہر کام میں کیوں اونگھتی ہے پھر ماما
رات بھر جاگی نہیں ہے جو یہ مردار کہیں

ماما کا ہے کہ جے کٹنی ہے یہ اچھی خاصی — مجھکو کرڈالے گی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی سے ثریا جو وہ ہرجائی ہے — ڈھونڈ ھ لے تو بھی کوئی اور طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو — ماں بچی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں — مرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

حرف جیم عربی

جان ۔ میر یار علی نام تھا ۔ میر امن لکھنوی کے بیٹے تھے اور نواب عاشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے ۔ اگرچہ وطن لکھنؤ تھا ۔ مگر بسبب فکر معاش آخر میں متوسلین دربار ہا میں ملازم ہو کر رام پور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خندہ پیشانی ۔ مرنجاں مرنج آدمی تھے ۔ جب تک لکھنؤ میں رہے فکر معاش میں مبتلا رہے آخر ۱۲۷۴ھ میں مجبوراً ترک وطن کرکے روزگار کی فکر میں دلی گئے ۔ مگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی ۔ پھر بھوپال گئے مگر یہاں بھی بدنصیبی ساتھ رہی ۔ آخر آب و دانہ کی کشش اور نواب کلب علیخاں مرحوم کی قدر دانی رام پور میں لے آئی اور یہیں مستقلاً رہنے لگے ۔ تا اینکہ سنہ ۱۳۰۹ھ میں ۶۳ برس کی عمر پاکر پیوند خاک ہو گئے ۔

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی بجز اس صنف خاص کے اُنسے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا ۔

آزاد مرحوم نے آبحیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد تھے ۔ یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔ اس لئے کہ ریختی کا پتہ اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے ۔ ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادر زاد اندھا شاعر تھا ۔ وہ اس کا موجد ہے اسکا انتقال سنہ ۱۱۰۹ھ میں ہوا آصفی ملکاپوری نے دو شعر ریختی کے اپنے "تذکرۂ شعرائے دکن میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں ۔ مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرزا قادر بخش صابر میں یہ عبارت دیکھی "زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا نے دیا ۔ اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے خواہ اُس سبب سے کہ اُن کی طبیعت کو خود اس صنف کلام کی طرف التفات تھا

خواہ انشاء اللہ خاں کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا" اس کے بعد اُن کو معلوم ہوا ہوگا کہ خود سید انشاء نے دریائے لطافت میں سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے۔ لہٰذا بطریق سامحت دونوں کو ریختی کا موجد قرار دیدیا۔ اسیطرح تذکرہ مہر جہانتاب میں بھی انشاہی کو ریختی کا موجد بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے دلی وکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا اور اب پایۂ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ بہر حال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان دولی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ اور ہیں شعر یہ ہیں۔

ارے نادان تین اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہے
رُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے

بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں
سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

بعض نے حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے۔ لیکن بجز ہاشمی کے ہماری رائے میں دوسروں کو ریختی گو لکھنا سراسر زیادتی ہے۔ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے شعر الہند میں اس کی بابت کافی تحقیق کی ہے اُن کی بھی یہی رائے ہے۔ غرض ریختی ایک صنف سخن تھی جو عرصہ سے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس میں مشق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے اسکو تکمیل کو پہونچایا۔ مگر ہمارے نزدیک اُن کی ریختی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی سی روانی اور بے تکلفی اسمیں باقی نہیں رہی۔ مراعات النظیر جس نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے بیکار کر دئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اور بعض جگہ اسقدر بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فواحشات کا بھی زور شور ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپنا قانوناً بند ہوگیا تھا۔ مگر اب بعض لوگوں نے محنت کر کے اسکا انتخاب کر کے کانٹے نکال دیئے اور پھول چن لئے ہیں اور اسی انتخاب کو چھپوایا ہے سُنا ہے کہ

جان صاحب محفل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود آورد اور تکلف کے ان کے یہاں بیگماتی زبان ۔ لکھنؤ کے ۔ روزمرہ شستہ ہیں کلام عورتوں کے محاورات ۔ رسوم و رواج کا اسقدر ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں ۔ میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لیئے پورا دیوان دیکھنا پڑا ۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئیو ضرور
کونڈا کروں گی جمعہ کو سید جلال کا

پھبتی کہی چراغ ہے بیئے کی جھونجھ میں
محرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا

یہ سات پیڑھیوں کے ہوا بعد اتفاق
کنبے میں ہیگیا کے دو ہاجو نظر پڑا

جس مردوے کے پیچھے مرا گھر ہوا خراب
برسوں کے بعد پھر وہی آ تو نظر پڑا

لگا میٹھا برس جب سے یہ صورت زہر لگتی ہے
کہیں مشاطہ کر پیغام اب مصری کی نسبت کا

وہ دل در گور جینیاں لے کبھی جو نام الفت کا
کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا

وہ تھے استادان سے جانصاحب تجھکو کیا نسبت
کیا پر نام روشن ریختی نے [illegible] نسبت کا

کلو ارنی پہ مرتا ہے تف اسکی ریش پر
قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا

مسانی سوت پر پڑے خالق مرا وبال
پڑ جائے اس کے حلق میں پھندا شراب کا

سوم بنیوں سے جلا ہو نسے جو جو سر کھیلے
چال وہ مجھسے ٹکے گز کی نکیو نکر چلتا

رہگیا کس سوم کا پیٹ جو جنتی نہیں
تیرہواں مہتاب کو یہ چاند ہے شوال کا

ساس نندوں کی محبت کیے میں قربان گئی
جاؤں میکے مجھے منگوا دو سواری مرزا

تم سلامت رہو صدقے میں تمھارے دم کے
کتنا پہنوں گی ابھی گوٹہ کناری مرزا

یگانہ تھا کچا تھا وہ جن اے پر یخانم
کل سر پر چڑھا آج نگوڑا اتر آیا

نہ پھینکا ڈھیلا نہ کھنکار اچپ چلے آئے
کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

خصم کا مال تو ہی یار کو کھلا رنڈی
ہمیں تو لاکھ کا گھر خاک کر نہیں آتا

گرگٹ کی طرح کا لا کبھی لال ہو گیا
غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا

بیگما اچھا نہیں بڑھنا نکمے بال کا
راکھ مل کے نوچ یا نورہ لگا ہرتال کا

آرزو بندی کی خالق سے ہے اک دن میری سوت
کھائے پھل تلوار کا اور پھول سونگھے ڈھال کا

خالی کے مہینہ میں وہ خالا نہیں رہتا
در گور مرے پاس رزالا نہیں رہتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
سر پر جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا

کیا ڈرتی ہے ماموں سے محرم میں بھی رنڈی
موباف تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا

اک پیٹ رہے ہمکو تو سو خطرے ہوں پیدا
مردوں پہ تو کوئی بھی کسالا نہیں رہتا

حسن جاتا رہے پر چھاتیوں کا روپ تا ہے
صدقے اس عقل کے جس نے یہ بنائی انگیا

اگر باور نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب
مری نارنگیوں سے آپ کا بہتر نہیں کیلا

خدا دکھائے نہ پیڑو کی آنچ کا صدمہ
یہ وہ جلاپا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا

کیوں نہ جامے سے میں باہر ہوں بھلا مغلانی
ادھڑی دوبار مگر ٹھیک نہ آئی انگیا

کوڑھ ان پہ [illegible] سے ٹپکے اسے جو پہنے
میں تو کوسوں گی مری جس نے چرائی انگیا

اب بھلی مانسیں کیا پہنیں جو یہ پہنائیں
اپنی جر دو نگوڑے کنجڑے قصائی انگیا

چپکے رہنے میں بھا حرام وہ کام
ایک دو بولوں میں حلال ہوا

خدا نے پدمنی کو قوم میں ان کی کیا پیدا
بڑا ہر ایک ہے رتبہ نہ کیوں سمجھیں چمار اپنا

تف اس بہادری پہ بنا مردوا ہی کیوں
چھوڑا پڑا قہ میں نے ترا جی دہل گیا

تصویر اُن کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے
بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا

باجی دنرات کا پھر وہ ہی بکھیڑا نکلا
کوئی گل پھولے گا پھر سوت کا چرچا نکلا

ہو نہیں تل ہے مری مہتابی کے پھبتی میں کہیں
چاند کے پیٹ میں خورشید یہ تارا نکلا

جان صاحب تو ہے رات کو خانم کے گھر | مجھ نبختی نے عبث عیش کا سامان کیا

کہے میں دیتی ہوں لاڈو خانم قسم خدا کی یہ دیکھ لینا | نکال لونگی میں دو دیدے کیا کیسی ہے جواب اشارا

میں پاس بیٹھی تھی دولھا بھائی گے وہ سنتے تو ہوتی آفت | کیا غضب کیا یہ تونے مرزا جو نام لیکر مرا پکارا

رہونگی میکے میں اپنے جا کر سواری منگوا دو مجھکو صاحب | یہ پاس نندو نکی بولی ٹھولی کرو نہیں کیا بات بھلا گوارا

کھانا چرا کے خوب نہیں ہانسے پان کا | منھ کی کہیں کھلائے نہ جیسکا زبان کا

محرم نکیلی چھاتیوں پر پھبی ہے نئی | انگیا غلاف جوڑا ہے یہ خاصدان کا

کسکو سمجھاؤں خرابی ہے مری دونو طرح | بھائی پر زور ہے چلتا نہ خصم پر اپنا

اے بوا پتھر کا دل ہے اس موئے بے پیر کا | تھا نکھٹو گھر میں خالق کے مری تقدیر کا

پیسا تھا پاس رہتے تھے ہر آن آشنا | یا دور دور کرتے ہیں اے جان آشنا

کرتا رہا وعدہ تو یونہی دھوکے دھڑی کا | مانوں گی نہ اقرار میں اب ایک گھڑی کا

چھوٹی مری کھائیگی ہری پان کا بیڑا | منجھلی کا نہ سنجھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا

ناک کٹوا کے میں منڈوا دُنگی بی سوت کا سر | دشمنوں کا مُئے بیکا اگر اک بال ہوا

نامرد ہے نہ جورو سے اب تک خبر ہوا | قربان اس حیا کے بوا سال بھر ہوا

سوکھا سوکھا گورا گورا | کملو کا گھر والا [illegible] ہوگا

کُھلا جنگل میں آکر حال ان چڑیوں کی چونچ جو نیکا | ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پرسا اپنے مجنوں کا

لگجائے نہ کوسا کسی کل جیبھی کا ظالم | ہونا ارے مشہور ہلاکو نہیں اچھا

جو خصم ہے لٹورا کہتی ہوں اُسکے حق میں | چڑیا حلال کردے تجھکو ثواب ہوگا

دل جلی کوکھ جلی مانگ جلی دکھیا ہوں | ٹھنڈا رکھے گا تجھے اوہی جلانا میرا

تم اگر دو گے نہ تن پیٹ کو روٹی کپڑا | کیا خدا کے بھی نہیں گھر میں ٹھکانا میرا

بچی کے واسطے جو کھلونے منگائے ہیں | گھر والا گھر کو کہتا ہے بتخانہ ہوگیا

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان صاحب کی | وہ اُسکی شکل کیا ہے اے بوا قربان کی صورت

ہے دوالی سے سوا آجکا دن آج کی رات
گھر سے نکلو نہ ذرا آج کا دن آجکی رات

صبح کو دیکھا ہے منہ شام برن کا میں نے
خیر سے کاٹے خدا آج کا دن آجکی رات

تیسرے دن نہیں جاتے ہیں کسی کے گھر سے
اور رہ جاؤ بوا آج کا دن آجکی رات

جو دال دلیہ ہو وے میسر مجھے وہ کھائیں
بھائی کو بھابی کیا ہے کمائی کی احتیاج

نشہ میں تاڑی کے جورو کو مارا بجھڑو سے نے
نکل گئی مری بچی کی اک کٹار میں روح

جیتے جی بندی کو اللہ دکھائے سہرا
مجھکو کیا لوگو جو گھر اُسکا بسا میرے بعد

سچ میں کہتی ہوں نبی بخش بُرا ہے داماد
رکھے عزت مری بچی کی خدا میرے بعد

قبر میں روح کو صدمہ مری ہوگا مرزا
سوت بچو نہ اگر ہوگی خفا میرے بعد

کارخانے ہیں خدا کے ہے کسے دخل بوا
بچہ تم پہلے جنیں بیاہ ہوا میرے بعد

رنگیں کی ریختی ہے سخن میرا ریختہ
فتنے کو فوق کیوں نہوائے باجی قور پر

جھجر میں باجی ایک مسلمان تھا کمہار
یہ حال اسکے گھر کے نظر آئے ذور پر

دلوایا شب برات میں مردوں کا فاتحہ
لوٹے گھڑے یہ بھنی پہ ٹکے مٹھور پر

ہے یہ دلہا کو ساس نندوں کے آگے گھونگٹ اُٹھا اُٹھا کر
نئی نویلی دلھن ہے بی بی ابھی تو دو چار دن حیا کر

بکا جی بیاہی تو پر یہ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا
بنا یا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کریں وہ مجھپر نہ قرق اتنا کچھ اُن کے گھر میں نہیں پڑی ہوں
کموڑوں ہیں نے بگاڑ ڈالا گھر وندے ایسے بنا بنا کر

لگائی سوسن نے ایسی مسی کہ جیسے بطخ نے کھائی کیچڑ
کسی نے مارا ہے منہ میں پتھر نہیں آئی ہے پان کھا کر

خدا نے چاہا نہ ٹھنڈے پیٹوں رہیگی سوتن کسطرح خندو
جلی ہوں دنیا سے جلتی بھنتی اسی نے مارا جلا جلا کر

نصیب سیدھا اگر ہے میرا تجکی نکلے گی کھاٹ اُسکی
وہ سکھ نہ پائیگی جسنے بھیجا ہے اُلٹی پٹی تمہیں پڑھا کر

ہو نہیں بڑھیا یہ جوانوں کے گلے کاٹتی ہوں
اب بھی یہ کند چھری ہے مرے دو چار سے تیز

سوت سے گالیاں نہ کھلواتے
تمکو ہوتا جو کچھ بھی میرا پاس

کیا زمانہ بُرا ہے اچھی بی
کوئی کرتا نہیں کسی کا پاس

ماں سے ہمکو سوا ہے پیاری ساس
باجی دنیا ہو اور ہماری ساس

جوہر ان کے کھلے ہیں ہو دل پر
چھریاں نندیں ہیں اور کٹاری ساس

بولوں بڑھ کر تو ذبح کر ڈالے
ہے وہ جلادنی ہماری ساس

کافی ہے نیک بخت کو بی جان ایک مرد
کسی کو روز چاہیئے دو چار کی تلاش

آج مجھسے ہے تو کل اور سے مرزا اخلاص
ایسی ہرجائی سے ہو نوج نگوڑا اخلاص

کوشش بہت سی کی نہ مٹا پردنوں کا پھیر
لاچار جان ہو گئی ایام سے غرض

کیا باجی بھیجتا وہ نکھٹو بھلا مجھے
جسنے نہ پوچھی بات کبھی در کنار خط

گگڑی کے چور کا نہیں کرتا ہی کوئی خون
مہندی کے چور پر کیا تم نے ستم غلط

گالی جو منھ سے نکلی ہو کاٹو مری زبان
تہمت لگا رہی ہے تمہاری حرم غلط

ہر گھڑی آکے جھٹانی مرے منھ چڑھتی ہے
ایک دو بار کروں گی نہ کہ سو بار لحاظ

نرگس سفید پوش بھی بیمار ہو گئی
اودا دوپٹہ اوڑھ کے سوسن نجلے باغ

ایسی ہرجائی سے بی کون نباہے خانم
کبھی مجھپر کبھی تجھ پر موے مرزا عاشق

جو نہ ماں باپ کا اپنے ہو ممانی سچ ہے
او ہی کیا ہوگا وہ جورو کا نگوڑا عاشق

بڑ لذت اٹھاؤ گی آگے
اب تو نام خدا ہوا ہے [illegible]

چلتا نہیں ہے زور محبت میں اسکے کچھ
عزت یہ جسکی چاہے نگوڑا اتارے دل

لا ڈو یہ جی میں آتا ہے دیدے نکال لوں
کیا خوش ہوا ہے دیکھ کے تیرے ابھارے دل

ساس ہوں پر میں خدا لگتی کہونگی ہیٹی
پاس مرزا ترا امراؤ بہو کرتے ہیں

تماشے کرتی یہ لچی بھتاری پھرتی ہیں
میں صدقے دیکھو اجی پیاری پیاری پھرتی ہیں

ملا تھا ایک ہی لیلی کو اے دوا مجنوں
ہزاروں اس سے تو وحشی ہمارے پھرتے ہیں

الٰہی جو موے بدنام میرا نام کریں
انھیں کی ننھی بڑی کو مرے غلام کریں

اکیلی جاؤ نہ مسجد میں طاق بھرنے کو
دوگانا جان تمھیں جھک کے ہم سلام کریں